رومانی اصلاحی ناول

روتے کنول

اسلم راہی، ایم۔اے

رومانی اصلاحی ناول

روتے کنول

اسلم راہی ایم۔اے

مکتبہ القریش چوک اردو بازار، لاہور

۱

سورج غروب ہوتے ہی اُجالا اور تاریکی آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ شفق پھول گئی۔ چاند کی جوت بڑھنے لگی۔ آزاد طبع طیور دن بھر کی رنگ رلیوں کے بعد آشیانوں کو واپس لوٹنے لگے اور اپنی مترنم آوازوں سے فضاؤں میں محبت کے پُرسرور نغمے بکھیرتے ہوئے جا بجا درختوں کے جھنڈ میں غولِ بیاباں کی طرح غائب ہونے شروع ہو گئے۔

نسیم دریا کے کنارے درختوں سے ڈھکی ہوئی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی پر ہوتا ہوا پل کے قریب آکر رک گیا اور اپنا اونچی سڑک کے ایک طرف رکھنے کے بعد ایک درخت کے تنے کا سہارا لیتے ہوئے بس کا انتظار کرنے لگا۔ رات اپنا آنچل دراز کرتی ہوئی گہری ہونے لگی۔ بدر کامل نے مسکراتے ہوئے ضیا پاشی شروع کر دی اور دریا کے کنارے سفید سفید ریت کے ٹیلے چاندنی سے بغلگیر ہوتے ہوئے بڑا ہی

دل کشا منظر پیش کرنے لگا۔

بس کا انتظار کرتے کرتے نسیم کو کھڑے کوئی آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔ کہ شہر کی سمت سے ایک نیلے رنگ کا ٹرک آیا اور بڑی تیز رفتار سے پل عبور کرنے کے بعد نسیم سے چند ہی گھر کے فاصلے پر سڑک پار کرتی ہوئیں چند بھینسوں سے جب بچنے کی کوشش کی تو ڈرائیور شاید سٹیرنگ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور ٹرک سڑک کے کنارے ایک کھڈ میں گر گیا۔

نسیم لپک کر آگے بڑھا اپنا اٹیچی اٹھا کر سرکنڈے کے ایک جھنڈ میں رکھا۔ اور پھر اس ارادہ سے ٹرک کی طرف بھاگ کھڑا ہوا کہ شاید کسی زخمی ہونے والی کی مدد کر سکے۔ اتنی دیر تک ڈرائیور نیچے اتر کر حالات کا جائزہ لینے لگا تھا۔ نسیم جب ٹرک سے ذرا قریب ہوا تو ایک دم رک گیا۔ اچانک ٹرک سے ایک نوخیز اور بے حد خوبصورت لڑکی مگسی رنگ کی ساڑھی اور ایک بے حد شوخ بلوز پہنے ٹرک سے نیچے کود ی۔ اس کے پیچھے پیچھے دو ہٹے کٹے اور بھیانک چہروں والے جوان بھی نیچے کود گئے۔

نسیم کسی سوچ میں پڑ گیا۔

لڑکی بے تحاشا دریا کی طرف بھاگنے لگی۔ لیکن جلد ہی ان دونوں نے اسے جا لیا۔ لڑکی سماجت کرنے لگی۔

چھوڑ دو مجھے۔ خدا کے لیے چھوڑ دو۔

ان میں سے ایک نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

ہماری گرفت سے بچ نکلنا اتنا آسان نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔

لڑکی نے پھر منت کی۔

آخر تم مجھے بے آبرو کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔

ایک مکروہ قہقہہ بلند ہوا۔

بس خواہشات دیرینہ کی تکمیل

خدا کے لیے مجھ پر اتنا بڑا ظلم نہ کرو۔ وہ اس کے پاؤں پر گر گئی۔

لیکن اس وحشی کے لہجے میں رعونت تھی۔

ہوں۔ بے انصافی میں پکار کیسی اور پھر کلی سے پھول بننے میں بھلا ظلم کی کون سی بات

پھر اس نے بڑی گہری اور تیز نگاہوں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

وہ فوراً واپس مڑا اور سر جھکائے ٹرک کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وحشی کے ہاتھ پھر لڑکی کی طرف بڑے اور بے رحمی سے اس کی ساڑھی کا پلو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اسے اپنے ساتھ طانے کی کوشش کی لیکن وہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

وہ غصے میں زور سے گرجا۔

اس وہم میں نہ رہنا کہ تم میرے ہاتھوں سے بچ جاؤ گی۔ تمہیں اغوا کرنے کا مقصد تمہاری عزت کی حفاظت نہیں اپنی خواہشات کی تکمیل

پھر وہ آگے بڑھ کر اس کی ساڑھی کے بل کھولنے لگا۔ لڑکی بے چین ہو کر چلا اٹھی۔

للہ مجھے یوں سرِ عام اپنی ہوس کا نشانہ نہ بناؤ۔

وحشی کہیں دُور سے بولا۔

تو پھر کہاں؟

لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

آؤ میرے ساتھ

پھر اس کی آواز جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ ——— لڑکی نے دریا کے کنارے سرکنڈوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کر دیا۔

دونوں آگے پیچھے دریا کی طرف بڑھنے لگے نسیم بھی دبے پاؤں ان کا تعاقب کرنے لگا۔

دریا کے کنارے پہنچ کر لڑکی اچانک دائیں طرف مڑی اور بڑی تیزی سے پل پر بھاگنے لگی۔ وہ نوجوان اور نسیم بھی اس کے پیچھے بھاگ نکلے۔ پل کے وسط میں پہنچ کر لڑکی نے ایک دم مڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر لوہے کا جنگلا پھلانگ کر دریا میں کود گئی۔ غنڈہ بھی اندھا دھند اس کے پیچھے چھلانگ لگا گیا۔ نسیم نے صرف چند لمحے حالات کا جائزہ لیا پھر چند قدم آگے بڑھ کر لڑکی کے بالکل قریب دریا میں کود گیا۔ لڑکی شاید تیرنا نہ جانتی تھی اسی لیے وہ پانی میں غوطے کھانے لگی۔ نسیم کسی ماہر شناور کی طرح پانی میں شپا شپ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا لڑکی کے قریب پہنچا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس نے بڑی خفگی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا

چھوڑ دو مجھے

پھر اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو پانی میں ڈبو دیا۔ شاید خودکشی کے ارادہ سے

نسیم نے پھر اس کا بازو پکڑ کر باہر نکال لیا۔

لڑکی خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے پھر اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ نسیم کی گرفت مضبوط اور وہ صرف تڑپ کر رہ گئی۔

نسیم نے پہلی بار اسے بڑی نرمی سے مخاطب کیا۔

دیکھو! حرام موت گناہ ہے۔ میں ان غنڈوں کا ساتھی نہیں۔ مجھے اپنا محافظ سمجھو۔ یقین نہ ہو تو غور سے میری طرف دیکھو

کیا تم نے قبل ازیں مجھے ان کے ساتھ دیکھا ہے۔

لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی۔

لیکن نسیم کی آواز نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

وقت ضائع نہ کرو۔ دیکھو وہ غنڈہ اب قریب پہنچ رہا ہے۔ ایسے موقع پر تذبذب فضول ہے میرے ساتھ کنارے کی طرف چلو۔ پھر پانی سے باہر نکل کر جو جی میں آئے سوچتی رہنا۔

لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

نہیں۔ میں اب زندگی پر موت کو ترجیح دیتی ہوں۔ میں کسی نئی شکل میں نہیں پڑنا چاہتی۔

نسیم کا لہجہ مشفقانہ تھا

مایوس ہونا گناہ ہے۔ تمہاری عزت کی حفاظت میرا ایمان ہوگا۔ چلو میرے

ھ

نسیم کے ہمدردی میں ڈوبے ہوئے الفاظ نے اسے مجبور کر دیا اور وہ اپنے
م کا سارا بوجھ نسیم پر ڈالتے ہوئے بولی۔

چلیئے

نسیم نے خاموشی سے اس کا شانہ پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔

ابھی وہ چند ہی گز آگے بڑھے تھے کہ غنڈہ بالکل قریب پہنچ گیا نسیم نے بڑی
ر داری سے لڑکی کے کان میں سرگوشت کی۔

دیکھو! وہ بالکل قریب آگیا ہے۔ میں جس وقت پیچھے مڑوں تم فوراً ایک ہاتھ
ے بائیں شانے پر رکھ کر سہارا لے لینا اور دوسرا ہاتھ پانی میں چلاتے رہنا پھر
ں بڑی آسانی کے ساتھ اس سے نمٹ لوں گا۔

لڑکی کے جواب میں عزم کی جھلک تھی۔

اب فکر نہ کریں۔ میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گی۔

غنڈہ جب اور قریب ہوا نسیم فوراً واپس مڑا۔ لڑکی نے بھی فی الفور ایک ہاتھ
ے کے بائیں شانے پر رکھا اور دوسرا توازن قائم رکھنے کے لیے پانی کے اندر ہی اندر
انے لگی۔ قبل اس کے غنڈہ وار کرنے میں پہل کرتا نسیم نے اپنے دائیں ہاتھ کا
ں مضبوط گھونسہ اس کے منہ پر جڑ دیا اس کے منہ سے خون بہہ نکلا اور حواس
ختہ ہو کر وہ پانی میں غوطہ لگا گیا۔ نسیم پھر لڑکی کو لے کر آگے بڑھنے لگا۔

غنڈہ پھر تعاقب کرنے لگا لیکن سست روی سے

نسیم جب کنارے کے قریب پہنچا تو دوسرا غنڈہ اور ڈرائیور کنارے پر

کھڑے تھے۔ پانی کی گہرائی اب کم ہو گئی تھی۔ نسیم اور لڑکی پانی میں کھڑے ہو گئے۔
تعاقب کرنے والا بھی اب پھر قریب آگیا تھا۔ نسیم نے پلک جھپکتے میں کوئی فیصلہ کیا اور
ایک جست لگا کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ دائیں اور بائیں ہاتھ کے کئی گھونسوں نے اسے
چکرا دیا اور نڈھال ہو کر پانی میں غوطہ لگاتے ہوئے وہ دور ہٹ گیا۔

دوسرا غنڈہ یہ منظر دیکھتے ہی دریا میں چھلانگ لگا گیا لیکن نسیم کے فولادی
گھونسے وہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ اور دور بھاگ گیا۔ نسیم جب لڑکی کے ساتھ
کنارے سے قریب ہوا تو ڈرائیور چاقو کھول کر کھڑا ہو گیا۔

نسیم پھر تفکرات میں ڈوب گیا۔

لڑکی پہلے کی نسبت اور زیادہ سہم گئی۔

اچانک نسیم پانی میں غوطہ لگا گیا۔ لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔ ڈرائیور خوش
تھا کہ شاید ان کا حریف بھاگ گیا ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے نسیم نے کنارے
کے قریب اپنا سر باہر نکالا اور دائیں ہاتھ میں کیچڑ لے کر ڈرائیور کی آنکھوں پر
دے مارا۔ وہ اپنے چہرے سے ابھی کیچڑ ہٹانے ہی نہ پایا تھا کہ نسیم کنارے پر
کودا اور اس کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا۔ پھر ڈرائیور کا بلٹ اس کے مضبوط
مکوں سے کئی بار ڈھول کی طرح بج اٹھا۔

ڈرائیور زمین پر گر گیا۔ نسیم نے دو، تین اور گھونسے اس کی پسلیوں اور چھاتی
پر جماتے ہوئے اس کی داند کی میں اور اضافہ کرنے کے بعد اسے اٹھا کر دریا
میں پھینک دیا۔

لڑکی کی نگاہیں مقیم ہو گئیں۔

نسیم پھر کنارے کی طرف بڑھا۔
وہ بھی آگے بڑھی۔ لیکن شرماتی اور شرماتی ہوئی۔ کیونکہ اس کی ساڑھی بھیگ کر اس کے سنگِ مرمر کے سے سفید اور چکنے جسم سے چپک گئی تھی اور جسم کا ہر حصہ چوری چوری جھانکتے ہوئے وجہ تحریکِ جذبات بن گیا تھا۔ وہ اپنا جسم چھپانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اس کی امنڈتی ہوئی بھرپور جوانی اور ٹمٹماتا ہوا بے پناہ حسن پانی میں آگ لگائے ہوئے تھا۔
نسیم نے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے۔
لڑکی نے شگفتہ روی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیئے۔
نسیم نے اسے باہر کھینچ لیا۔
لڑکی جب کنارے پر کھڑی ہوئی تو نسیم پریشان ہو کر اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
اف! اس کا جوبن تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔
لڑکی اس کی تیز نگاہوں کی تاب نہ لا سکی اور شرما کر ریت پر بیٹھ گئی
نسیم نے قدرے حیرانگی سے کہا۔
ارے تم یہاں کیوں بیٹھ گئی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔ یہاں اب بیٹھنا اچھا
پھر اس نے اسے اٹھانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔
لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سینے کے ابھار ڈھانپے اور مجاتے ہوئے کہا۔
آپ آگے آگے چلیئے۔ میں آپ کے پیچھے آتی ہوں۔

نسیم مسکرا۔ واپس مڑا اور خاموشی سے آگے بڑھنے لگا۔ لڑکی بھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔
تھوڑی دیر چلنے کے بعد اچانک لڑکی کی آواز گونجی۔
کہاں جا رہے ہیں آپ؟
اِدھر نسیم نے پیچھے مڑ کر ہاتھ کے اشارے سے سرکنڈے کے ایک گھنے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔
لڑکی بوکھلا گئی
دیکھیئے ——————
نسیم نے اس کی ڈھارس بندھائی
گھبراؤ نہیں۔ میں ان کا سلوک نہ کروں گا۔ مجھ پہ اعتماد رکھو۔
دونوں پھر آگے بڑھنے لگے
اس دفعہ نسیم نے مخاطب کیا
تمہارا نام کیا ہے؟
لڑکی نے کچھ رک کر کہا
زوبی
کہاں رہتی ہو؟
شہر
اور یہ غنڈے کون ہیں
یہ مجھے اغوا کر کے لائے تھے۔

نسیم کی آواز میں تجسس تھا۔

وہ کیسے؟

زوبی کی آواز ڈوبنے لگی

میں امتحان دے کر واپس لوٹ رہی تھی کہ انہوں نے مجھے اٹھا لیا۔

کون سی کلاس میں پڑھ رہی ہو؟

بی اے فائنل کا امتحان دے رہی ہوں۔

تو کیا تمہارے پیپر جاری ہیں

ہاں۔ کل میرا شہریت کا پرچہ ہے جو شاید میں نہ دے سکوں

کیوں؟

صبح تک شاید میں گھر نہ پہنچ سکوں گی

نسیم نے خود اعتمادی سے کہا۔

حوصلہ نہ ہارو۔ صبح تو کیا میں تمہیں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے تک گھر پہنچا دوں گا۔

اور اگر انہوں نے دوبارہ تعاقب شروع کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟

تو پھر ان کی حالت اس سے بھی بدتر ہوگی۔

زوبی شاید جواب میں کچھ کہتی۔ لیکن نسیم پھر بولا۔

تم تھوڑی دیر یہیں رکو۔ میں ابھی آیا۔

وہ سرکنڈوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔

زوبی کچھ نہ سمجھتے ہوئے باہر کھڑی ہو کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد نسیم اپنا اٹیچی اٹھائے باہر آیا۔ زوبی کے قریب پہنچ کر اس نے کھولا اور سیاہ رنگ کی ایک پتلون اور سفید قمیض زوبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ساڑھی اتار کر جلدی جلدی یہ پہن لو۔

نہیں۔ نہیں میں اسے ہی چلوں گی

ضد نہ کرو۔ تمہارا لباس بیگا ہوا ہے۔ بیمار ہو جاؤ گی۔

تو کیا اس لباس میں سفر کرنی میں بری دکھائی نہ دوں گی؟

میں نے کہا ہے تمہیں اس لباس میں سفر کرنے کے لیے ساڑھی بہت جلد ہو جائیگی۔ پھر وہی پہن لیا۔

دیر ہو جائے گی

کوئی بات نہیں

وہ تینوں پھر ہمارے لیے خطرہ بن جائیں گے۔

تم فکر نہ کرو۔ تمہارا محافظ ان سے اچھی طرح نپٹ لے گا۔

زوبی مجبور ہو گئی۔

اچھا۔ تو پھر آپ ذرا ——————

نسیم سمجھ گیا۔ تھوڑا دور ہٹ کر منہ دوسری طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھتے ہوئے بولا۔

یہ لیجئے

زوبی اُس کی اس ہوش ربا ادا پر مسکرا دی۔ پہلے آگے بڑھ کر اس کے اٹیچی سے تولیہ نکالا اور پھر تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگی۔

جلد ہی نسیم کے کانوں سے اس کی آواز ٹکرائی۔
آجائیے اب
نسیم واپس مڑا۔ وہ پتلون اور قمیض پہننے کے بعد اپنا بلوز اور ساڑھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی۔ مردانہ لباس میں وہ اور زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگی نسیم نے مسکرا کر کہا۔
بہت خوب سچ بہت وضعدار دکھائی دینے لگی ہو اس لباس میں
وہ لجائی۔ مسکرائی اور رک کر کہا۔
آپ لباس تبدیل نہیں کریں گے۔
نسیم آگے بڑھا۔
یاددہانی کا شکریہ
اس نے اٹیچی سے کپڑے نکالے اور لباس تبدیل کرنے سرکنڈوں میں گھس گیا۔
جب وہ اپنا گیلا لباس اٹھائے باہر آیا تو زوبی نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ سے کپڑے لینا چاہے۔
نسیم نے خوشگوار تبسم سے کہا
کیوں تکلیف کرتی ہو
لیکن وہ زبردستی کپڑے لے کر نچوڑنے لگی اور نسیم خاموش کھڑا اسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
زوبی نے جلدی جلدی کپڑے خشک کر کے ایک قریبی درخت پر ڈالے اور پھر نسیم سے قریب ہو کر ذرا بے تکلف سے لہجے میں پوچھا۔

آپ کہیں دور جا رہے ہیں شاید!
کیسے اندازہ لگایا تم نے؟
آپ کا اٹیچی بتا رہا ہے۔
نہیں تمہارا اندازہ غلط ہے میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں۔
کہاں رہتے ہیں
شہر
تو یہاں اس وقت کہاں آئے تھے؟
یہاں ایک قریبی گاؤں میں میرا دوست ہے اس کی شادی میں شرکت کے آیا تھا اور اب واپس گھر جا رہا ہوں۔
زوبی خاموش ہو گئی۔
نسیم نے نیا موضوع شروع کیا۔
تم نے اپنی ساڑھی اور بلوز کہاں رکھ دیا
وہ سامنے اس نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔
اس طرح تو وہ خشک ہونے میں بہت دیر لے گی اور ہمیں ایک بس ضائع کرنا پڑے گی۔
تو پھر کیا کرنا چاہیئے۔
ٹھہرو! میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔
نسیم آگے بڑھا۔ درخت سے اس کی ساڑھی اتاری۔ ایک سرا خود پکڑا اور دوسرا زوبی کو پکڑا دیا۔

زوبی سب کچھ سمجھ کر مسکرا دی

اور دونوں ساڑھی زور زور سے ہوا میں لہراتے ہوئے خشک کرنے لگے۔

جلدی ہی زوبی کے کپڑے خشک ہو گئے۔ نسیم پھر اسی طرح دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ زوبی لباس تبدیل کرنے لگی تھوڑی دیر تک نسیم کو اپنے پیچھے سرسراہٹ سی محسوس ہوتی رہی پھر زوبی کی آواز گونجی چلئے چلیں۔ نسیم نے جب مڑ کر دیکھا تو زوبی اس کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اس کا اٹیچی تھا اور دوسرے میں اس کے گیلے کپڑے۔

نسیم کے جواب دینے سے قبل وہ اس کے اٹیچی کی چابیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پھر بولی۔

یہ لیجیے چابیاں

نسیم نے چابیاں لے لیں پھر اپنا اٹیچی اس سے لینے کے بعد اپنا ہاتھ گیلے کپڑوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ بھی مجھے دے دو

زوبی نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

نہیں رہنے دیجیے میرے پاس ہی۔ چلیے چلیں

دونوں سڑک کے کنارے آ کھڑے ہوئے اور بس کا انتظار کرنے لگے۔

اچانک درختوں کے ایک قریبی جھنڈ میں ایک نیل کنٹھ اپنے نیلے نیلے اور خوبصورت پروں سے فضا میں پھڑ پھڑاہٹ پیدا کرتا ہوا ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف پھدک گیا۔

زوبی نے خوفزدہ ہو کر نسیم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نسیم حیرت زدہ ہو کر بولا۔

کیا ہوا؟

زوبی نے ہراساں لہجے میں کہا۔

کوئی آ گیا ہے شاید

نسیم مسکرانے لگا۔

ارے تم تو یوں ہی ڈرنے لگیں۔ وہ تو کوئی پرندہ پھڑ پھڑایا ہے۔

زوبی نے سکون کا ایک لمبا سانس لیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر کر جانے سر جھکا کر کیا سوچنے لگی۔

اچانک نسیم کی آواز سے اس کا نیرنگِ خیال ٹوٹ گیا۔

بس آ گئی

زوبی نے آگے بڑھ کر بائیں طرف دیکھا۔ بس بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

نسیم ہوا میں ہاتھ لہرانے لگا۔ بس ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی اور دونوں ایک ہی سیٹ پر کچھ اس طرح بے تکلفی سے بیٹھ گئے جیسے ابھی سے نہیں بلکہ ایک عرصے سے دونوں ایک دوسرے کے جاننے والے ہوں۔

۲

ہی چاند غروب ہو گیا۔ جوت کی ماتی رات اندھیرے کی گود
جلد میں سمٹ کر رنگ رلیاں منانے لگی۔ چاندنی شرما کر کہیں چھپ گئی۔ بہار اس اکسانے والے منظر کو دیکھ کر ورقِ گل کے طویل بوسے لے لے کر اپنے آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے جذبات کو برودت پہنچانے لگی۔ پھولوں پر سرخوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور بلبل اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنا چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔

بس بڑی تیزی سے مسافت طے کرتی ہوئی شہر کے وسط میں ایک سٹاپ پر رک گئی۔ نسیم اور زوبی نیچے اتر گئے رات کے دس بج چکنے کے باعث سڑکوں اور بازاروں پر ویرانی اور اداسی طاری ہونی شروع ہو گئی تھی۔ نسیم فٹ پاتھ پر کھڑے ہوتے ہوئے پہلی بار زوبی کو اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

زوبی!

زوبی نے کمال شائستہ اور بے تکلف لہجے میں کہا۔

جی

تمہارا گھر یہاں سے کتنی دور ہو گا؟

یہی کچھ چار میل تو ہو گا ہی۔

اچھا اُوپر چلیں۔

تھوڑی دیر تک دونوں فٹ پاتھ پر آگے بڑھے۔ پھر نسیم نے زوبی کو۔ بجلی کے ایک کھمبے کے پاس رکنے کے لیے کہا اور اپنا اٹیچی اس کے پاس رکھنے کے بعد قریب ہی کھڑی ایک ٹیکسی کے اندر جھانکتے ہوئے ڈرائیور سے بات چیت کرنے لگا جلد ہی وہ پھر واپس مڑا اور زوبی کو ساتھ لے کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

کوئی دس منٹ بعد زوبی کے کہنے پر ٹیکسی چرچ روڈ پر ایک عالیشان اور بے حد خوبصورت کوٹھی کے سامنے رکی۔ نسیم نیچے اتر کر حساب چکانے لگا زوبی اس کا اٹیچی اور گیلے کپڑے اٹھائے کوٹھی کے گیٹ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ ٹیکسی آگے نکل گئی۔ نسیم، زوبی کی طرف بڑھا وہ لوہے کا گیٹ کھولنے لگی۔ نسیم اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

اچھا زوبی اب میں چلتا ہوں۔

زوبی نے پیچھے مڑ کر حیرانگی سے پوچھا۔

کہاں؟

اپنے گھر اور کہاں۔

پہلے میرے ساتھ اندر آئیے۔ پھر بیشک چلے جائیے گا۔

نہیں زوبی! رات کے اس وقت میرا تمہارا ساتھ اندر جانا ٹھیک نہیں تمہارے گھر والے خواہ مخواہ مشکوک نگاہوں سے دیکھیں گے۔

اس بات کا آپ فکر نہ کریں۔ میرے ابا کچھ نہ کہیں گے۔ اور پھر آپ تو میری بے گناہی اور تقدس کا ثبوت ہیں۔ آپ کو میرے ساتھ ضرور اندر جانا ہوگا اور سب سے بڑھ کر آپ میرے ایسے محسن ہیں جن کا احسان میں تا دمِ آخر بھلا نہ سکوں گی۔

نہیں زوبی تم جاؤ۔ میں نے تم پہ کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ ایک فرض تھا میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ تمہارے کسی کام آسکا۔

کچھ بھی ہو آپ کو میرے ساتھ اندر جانا ہوگا۔ زوبی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

ضد نہ کرو زوبی۔ اس نے اپنا اٹیچی لینے کی کوشش کی۔

رات کے اس وقت میں آپ کو یہاں سے واپس نہ لوٹنے دوں گی چلئے میرے ساتھ

اہوں ہوں۔ نسیم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں چلیں گے؟

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا۔

زوبی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

چلئے نا

اس کی آواز میں پردرد التجا تھی۔

نسیم مجبور ہوگیا۔

اچھا میں چلتا ہوں لاؤ اٹیچی مجھے دے دو۔

زوبی مسکرا پڑی

نہیں ایسے نہیں پہلے گیٹ کے اندر آئیے پھر اٹیچی آپ کو دوں گی۔

نسیم نے اندر داخل ہو کر زوبی سے اٹیچی لے لیا اور دونوں پہلو سے پہلو ملائے کوٹھی میں داخل ہوگئے نسیم کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد زوبی اس کا اٹیچی اور گیلے کپڑے لے کر دوسرے کمروں کی طرف چلی گئی۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے نسیم کو کوئی پندرہ منٹ گزرے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر کا مرد اندر داخل ہوا۔ نسیم اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن وہ آگے بڑھ کر نسیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑی انکساری سے بولا۔

میرا نام وجاہت ہے میں زوبی کا باپ ہوں۔

نسیم نے کچھ نہ کہا۔

وہ پھر بولا۔

بیٹھ جاؤں بیٹا۔ تم بوکھلا کیوں گئے ہو۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔

نسیم چپ چاپ بیٹھ گیا۔ وجاہت اس کے سامنے والے صوفے پر جمتے ہوئے بولے۔

میں تمہارا شرمندہ احسان ہوں بیٹا! تمہاری وجہ سے میری شرم رہ گئی ہے۔ میرے کئی رشتہ دار زوبی کے یہاں نہ ہونے کی وجہ سے اس کا پوچھ چکے ہیں۔ میں یہی کہہ کر ٹالتا رہا کہ وہ اپنی کسی سہیلی کے ہاں گئی ہوئی ہے میں نے شرم کے

باعث اس کی گمشدگی کی اطلاع ابھی تک پولیس کو بھی نہیں دی۔

کچھ دیر رکنے کے بعد وہ دوبارہ بولے۔

تم نے مجھے ذلیل و خوار ہونے سے بچا لیا ہے نسیم! تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔ زوبی کی عزت بچا کر تم نے اس خاندان پر ناقابلِ فراموش احسان کیا۔ میں تمہیں اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں تم جو منہ سے نکالو گے وہی تمہیں ملے گا۔

نسیم نے پہلی بار زبان کھولی۔

یہ تو ایک انسانی فرض تھا۔ میں نے کسی صلہ یا لالچ کی خاطر ایسا نہیں کیا۔

وجاہت رقت سے بولا۔

ایسا کہنا تمہاری بلند کرداری کی ایک وجہ ہے ورنہ یہ تو بھلے کا زمانہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا جرأت مندانہ کام کرنے کے بعد تم میرے گھر سے خالی ہاتھ نہ نکلو

نسیم اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

آپ میرے جذبات کا غلط اندازہ لگا رہے ہیں میں کسی صلے کا خواہش مند نہیں۔ مجھے آپ اجازت دیجیے میں اب چلتا ہوں۔

وجاہت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

بیٹھ جاؤ بیٹا! تم شاید خفا ہو گئے ہو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں

نسیم بے دلی سے پھر بیٹھ گیا۔

وجاہت کچھ دیر کی سوچ کے بعد کہا۔

رات کے اس وقت تمہارا یہاں سے جانا میری بے عزتی ہے آج رات تمہیں

رہنا ہو گا۔ ملازمہ کھانا تیار کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد کھانا کھا کر آرام کرو لیکن یہ کون سے وقت کا کھانا ہے؟

شام کا ہم نے تو زوبی کی گمشدگی کی وجہ سے ابھی تک کھانا ہی نہیں کھایا۔

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ پھر بول پڑے

نسیم! رہتے کہاں ہو؟

اس نے اپنا سر اوپر اٹھا کر ہلکے سے کہا۔

اقبال نگر

پڑھتے ہو کیا؟

جی نہیں سروس کرتا ہوں

کہاں؟

پہلے ایک موٹر ورکشاپ میں فٹر تھا۔ لیکن وہاں سے چھوڑ کر اب ایک فرم میں کلرک ہوں

تعلیم کیا ہے؟

بی اے

تو پھر کلرک کی بجائے کہیں اچھی سروس کی ہوتی۔

نسیم کی آواز میں ہزاروں دبی دبی سے آہیں تھیں۔

بس مقدر نے یہیں تک ساتھ دیا تھا اور اسی پر قناعت کیے ہوئے ہوں۔

آبا کیا کام کرتے ہیں۔

کبھی انجینئر تھے لیکن فالج نے ان کی دونوں ٹانگیں بیکار کر دی ہیں اور اب

بیساکھیوں کے بل چلتے ہیں۔

کام وغیرہ کچھ نہیں کرتے؟

جی نہیں کمزوری کے باعث وہ چلنے سے بھی قاصر ہیں۔ ویسے بھی اکثر بیمار رہتے ہیں۔

کوئی بہن بھائی ہے۔ ان کی آواز میں دکھ تھا۔

تھوڑی دیر کی سوچ کے بعد وجاہت پھر بولے

شادی کر رکھی ہے کیا؟

جی نہیں

وجاہت کی آواز کچھ فکر گیر ہو گئی۔

بس گھر کے دو ہی فرد ہو

نہیں ہمارے ساتھ میری ایک بیوہ بھابھی اور اس کا ایک لڑکا بھی رہتے ہیں۔

تو کیا تمہارا کوئی بھائی ——— وہ جانے کیا سوچ کر بات مکمل نہ کر سکے

نسیم نے جھٹ ان کی کمی پوری کر دی۔

جی ہاں وہ فوت ہو چکے ہیں۔

وجاہت کے چہرے پر بے رونقی کی ایک اور تہ جم گئی۔ کچھ سوچتے ہوئے نے سر جھکا لیا۔

اتنی دیر میں زوبی اندر داخل ہوئی اور وجاہت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

ابا جان! کھانا تیار ہے۔ آئیے نا

وجاہت نے سر اوپر اٹھایا اور نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

اٹھو بیٹا!

آپ ہو آئیے۔ مجھے تو کوئی خاص بھوک نہیں۔

تکلف نہ کرو۔ چلو اٹھو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نسیم نے بیٹھے ہی بیٹھے بہ نگاہ غائر زوبی کی طرف دیکھا وہ اس کی اس حرکت پر بے حد پیارے انداز میں منہ بسور رہی تھی۔ نسیم اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا پھر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

زوبی کے ساتھ جب وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں ایک اور لڑکی کھڑی تھی۔ جو زوبی ہی کی طرح بے حد حسین اور گداز جسم تھی اس کی شکل بھی کافی حد تک زوبی سے مشابہت رکھتی تھی۔ نسیم اس کے متعلق کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ زوبی خود ہی بول اٹھی۔

یہ میری چھوٹی بہن نومی ہے۔

نسیم قدرے چونک کر سنبھل گیا۔

نومی نے تھوڑی دیر کچھ غور سے نسیم کی طرف دیکھا پھر شرما کر اپنی ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبتی ہوئی کھانے کی میز پر بیٹھ گئی۔ نسیم زوبی اور وجاہت بھی بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

کمرے میں کچھ دیر مکمل سکوت کا عالم رہا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد وجاہت زوبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔ جاؤ بیٹی۔ نسیم کو اس کا کمرہ دکھا دو

زوبی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ نسیم بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر

نکل گیا۔ دونوں ایک صاف ستھرے اور تکلف کی حد تک سجے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔
زوبی اپنی ساڑھی کا پلو انگلی پر لپیٹتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولی۔
یہ ہے آپ کا کمرہ اب آپ آرام کیجیے اور ہاں وہ رہا آپ کا اٹیچی کیس زوبی نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں چلتی ہوں۔ آپ لباس تبدیل کر لیں۔
زوبی جب واپس مڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ نسیم کی آواز گونجی۔
زوبی
وہ واپس مڑتی ہوئی بولی۔
کہیے؟
تم بس گھر کے صرف تین ہی فرد ہو۔
جی ہاں؟
بھائی نہیں
زوبی نے افسردگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
اوں ہوں
اور امّی
فوت ہو چکی ہیں۔
زوبی خاموش اور اُداس کھڑی رہی۔
نسیم نے پھر پوچھا۔
کوئی اور رشتہ دار بھی نہیں نسیم نہ جانے کیوں بات کی گہرائی میں لے جا رہا تھا
ہیں۔ ہمارے دائیں طرف جو کوٹھی ہے وہ میری خالہ کی ہے۔ ان کا ایک لڑ

ہے وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں باہر گیا ہوا ہے۔ اور ایک ہی لڑکی ہے جو شادی شدہ ہے اور یہاں سے بالکل نزدیک ہی ایک عالیشان کوٹھی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہ رہی ہے۔
ہوں۔ نسیم نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔
کس سوچ میں پڑ گئے ہیں آپ؟ زوبی نے اسے چونکا دیا۔
نسیم نے فوراً سر جھٹک دیا۔
نہیں تو
اچھا آپ آرام کیجیے میں چلی۔
زوبی واپس مڑتی ہوئی باہر نکل گئی اور نسیم شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر دراز ہو گیا۔
دوسرے روز صبح سویرے ہی ناشتہ کے بعد وجاہت کا ڈرائیور نسیم کو اقبال نگر چھوڑ آیا۔

۳

زوبی کے اغوا سے وجاہت کچھ اس قدر خائف ہوئے کہ اس کا امتحان ختم ہوتے ہی انہوں نے اس کی کہیں شادی کی بات شروع کر دی۔ زوبی کی خالہ ربیعہ اس کی لڑکی انیلا اور زوبی کی چھوٹی بہن نومی نے کئی بار وجاہت سے لڑکے کا گھر دکھانے کے لیے کہا لیکن وہ جانے کس وجہ سے ہر بار انہیں سختی سے ٹال جاتے اور لڑکے کے متعلق کسی کو کچھ بتائے بغیر انہوں نے زوبی کی شادی کا دن بھی مقرر کر ڈالا۔

ایک روز زوبی اپنے کمرے میں کچھ غمگین سی بیٹھی تھی۔ اس کے قریب ہی اس کی خالہ زاد بہن انیلا بھی بڑی پریشانی سے کچھ سوچ رہی تھی۔ وجاہت کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور نومی اپنے کمرے میں بیٹھی مطالعہ کر رہی تھی۔ شادی میں اب صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔

جانے زوبی کو غمگین دیکھ کر اس کا دل بہلانے کی خاطر یا کسی اور ارادہ سے انیلا اسے مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

زوبی! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ خالو جان لڑکے کا اتا پتہ کیوں نہیں بتانا چاہتے مجھے تو اب ایک اور شک پڑنے لگا ہے۔

زوبی بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل بولی۔

وہ کیا؟

میرے خیال میں تو وہ تمہاری شادی کسی بڑی عمر کے آدمی سے کر رہے ہیں۔

تم نے کیسے اندازہ لگایا۔

کل تمہارے ہاں جو مہمان آئے تھے نا۔ ان میں ایک تو بالکل ضعیف تھا۔ ایک عورت تھی اور دوسرا مرد کوئی چالیس پینتالیس کے پھیرے میں تھا۔ میرے خیال میں تو اسی سے تمہاری شادی ہو رہی ہے خالو جان نے پتہ نہیں کیا دیکھا ہے اس میں میرے خیال میں تو کوئی مالدار اسامی ہو گی۔

زوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

باجی! اگر ایسا ہے۔ تو میں شادی سے قبل ہی جان دے دوں گی۔

انیلا نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

ہش پگلی! تمہاری زندگی اتنی سستی نہیں۔ ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔ تو پھر آپ ہی کچھ سوچئے باجی! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے۔ زہر کھا کر ہمیشہ کی نیند سو جاؤں۔

نہیں زوبی! اس طرح پورا خاندان بدنام ہو جائیگا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔

وہ کیا؟

تم فی الحال شادی کر لو

شادی کر لوں؟ زوبی نے چیخ کر پوچھا۔

ہاں ہاں۔ پہلے میری پوری بات تو سنو

کہیئے

اب اگر تم نے شادی سے انکار کیا تو خالو جان سختی پر اتر آئیں گے۔ کیونکہ شادی کی تاریخ طے ہو چکی ہے تم پہلی رات ہی اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ میری شادی زبردستی یہاں کی گئی ہے میں کسی اور کو چاہتی ہوں مجھے قوی امید ہے کہ یہ الفاظ سن کر وہ تمہارے قریب آتا تو کجا ہر صورت میں تمہیں طلاق دے کر فارغ کر دے گا۔ اور پھر میں خالو جان کو کسی نہ کسی طرح منا کر تمہاری شادی اپنے دیور اظہر سے کرا دوں گی وہ ماشا اللہ خوبصورت ہے جوان ہے اور سب سے بڑھ کر اپنی فرم کا مینیجنگ ڈائریکٹر بھی۔ میرے خیال میں تو تمہارا اس کا جوڑ بہت شاندار رہے گا۔

اس کے علاوہ وہ تمہیں بے پناہ چاہتا بھی ہے۔ اس نے مجھے کئی بار تمہارا رشتہ مانگنے کے لیے بھی کہا ہے۔ لیکن خالو جان نے تو اس قدر جلدی تمہاری شادی طے کر کے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

انیلا کی باتوں نے زوبی کو خیالات کی گہرائیوں میں پھینک دیا۔ اور سوچوں کا تیز دھارا اسے نسیم کی طرف بہا کر لے گیا۔ وہ دل ہی دل میں اسے کوسنے

نہیں ابا جان! نسیم کو بخار ہو گیا ہے؟

بخار؟ تسکین اس انکشاف پر کانپ گئے

ہاں دیکھیئے تو جسم کس طرح بخار میں جل رہا ہے۔

تسکین لڑکھڑاتے سے آگے بڑھے۔

نسیم نہ جانے کیا سوچتے ہوئے فوراً اٹھتا ہوا کہنے لگا۔

کچھ بھی نہیں ابا جان! بھابی تو ایسے ہی وہم میں پڑ گئی ہیں۔

ناہید نے رونے کے سے انداز میں کہا۔

تم خود بھی تو کہہ رہے تھے میری طبیعت خراب ہے۔

ارے بھابی! واہ آپ بھی کس بات میں پڑ گئیں میں تو یونہی مذاق کر دیا تھا۔

مذاق کیوں۔ تمہارا جسم بھی تو بتا رہا ہے کہ تمہیں بخار ہے۔

نسیم دل نہ مانتے ہوئے بھی زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

کیوں فکر مند ہوئی جا رہی ہیں بھابی کچھ بھی نہیں۔ آپ جلدی جلدی ناشتہ لگایئے میں ابھی آیا۔

وہ فوراً اکھڑا ہوا اور عقیل کو اٹھا کر غسل خانہ کی طرف چلا گیا

تھوڑی دیر بعد سب ناشتہ پر بیٹھ گئے۔ ناہید نے زوبی کو نسیم کے بالکل سامنے بٹھایا۔ وہ بار بار اپنی مدبار اور مخمور نگاہوں سے نسیم کی طرف دیکھتی۔ لیکن اس کے چہرے پر نفرت اور بیگانگی کے آثار دیکھ کر اس کے ہاتھ کانپ جاتے اور نہ جانے کیا سوچتے ہوئے اس کے ناشتہ کرنے کی رفتار بھی سست پڑ جاتی۔

۴

دوپہر سے کچھ قبل تسکین کے مکان سے باہر دو مختلف رنگ کی کاریں رکیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک میں سے وجاہت اور نومی اور دوسری کار سے انیلا کاشوہر اختر اور ربیعہ اتر کر اندر داخل ہوئے انیلا سب سے پیچھے گہری نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے مکان کا جائزہ لے رہی تھی جو کئی کمروں پر مشتمل ایک وسیع حویلی تھی۔ بڑے دروازے کے قریب ایک کار پورچ بھی لیکن اس کا صحیح مصرف نہ ہو رہا تھا اور اسے سٹور روم کی شکل دے دی گئی تھی آنگن میں ایک طرف چھوٹا سا باغیچہ بھی تھا۔ لیکن ٹھیک نشوونما کے فقدان نے اسے مایوسی اور اُداسی کا لبادہ اڑھا دیا تھا حویلی کے در و دیوار سے غربت اور بوسیدگی کی تہیں صاف عیاں تھیں۔

حویلی سے باہر کاروں کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنتے ہی تسکین۔ ناہید اور زوبی

برآمدے میں آکھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ایک طرف عقیل ہی خوش و خرم کھڑا تھا لیکن نسیم کسی کی آمد سے بے پرواہ اپنے کمرے میں پڑا رہا۔ وجاہت نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے بڑی خوش روی کے ساتھ تسکین سے مصافحہ کیا۔ پھر زوبی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد ان کی نگاہیں ادھر اُدھر نسیم کو تلاش کرنے لگیں زوبی اور ناہید اس درمیان میں ربیعہ نومی اور انیلا سے بغلگیر ہونے لگیں۔

وجاہت زیادہ دیر صبر نہ کرتے ہوئے تسکین کی طرف دیکھ کر آخر پوچھ ہی پڑے۔

نسیم کہاں ہے؟

تسکین بیساکھیوں کے سہارے لڑکھڑاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے ناہید کی طرف دیکھنے لگے۔

وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے وجاہت کی طرف دیکھ کر فوراً بول پڑی۔

اپنے کمرے میں ہے چچا جان! اس کی طبیعت

ناہید یہیں تک ہی کہنے پائی تھی کہ نسیم چہرے پر زبردستی پھیکی سی مسکراہٹ پھیلاتا ہوا اپنے کمرے سے نکلا۔

ناہید فقرہ پورا کرتے کرتے یک دم رک گئی۔

وجاہت بیتابی سے آگے بڑھے اور اسے سینے میں لگا لیا۔

پھر اختر اس سے مصافحہ کرنے لگا۔

ناہید عورتوں کو اپنے کمرے میں لے گئی اور مرد تسکین کی رہنمائی میں ایک طرف ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔ نسیم بھی دل نہ مانتے ہوئے ان کے پاس جا کر

بیٹھ گیا۔

ناہید تھوڑی دیر مہمانوں کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھی اور ربیعہ کی طرف دیکھتے ہو
کہا۔

خالہ جان! آپ بیٹھئے میں ذرا کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔

نومی نے فوراً اس کی بات اچک لی۔

ٹھہرے باجی! میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ آپ اکیلی تو کام کرتے کرتے
تھک جائیں گی۔

لیکن ربیعہ اس کا بازو پکڑتے ہوئے فوراً بیچ میں بول پڑی۔

نہیں نومی تم یہیں بیٹھو زوبی کے پاس میں خود کام میں ناہید کا ہاتھ بٹاتی ہ

انیلا کو جیسے یہ بات بے حد پسند آئی۔

ہاں ہاں۔ نومی! تم یہیں بیٹھو امی کو جانے دو ان کے ساتھ

ربیعہ۔ ناہید کے ساتھ باہر نکل گئی۔

اور انیلا زوبی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

زوبی! تم نے دولہا بھائی سے تعارف تو کرایا ہی نہیں۔

زوبی جو پتہ نہیں کن خیالات میں کھوئی بیٹھی تھی فوراً چونکتے ہوئے کسی با
بس اور معصوم بچے کی طرح انیلا کی طرف دیکھنے لگی۔ زوبی کی اس حالت سے وہ
سب کچھ سمجھ گئی لیکن نومی جو ان دونوں کے مابین خفیہ باتوں سے قطعاً بے
تھی بڑے فخر سے انیلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ آپ کے سامنے تو آ
تھے۔ آپ نے اسی وقت ان سے بات کرلی ہوتی۔ اور پھر کیا شادی کے دن آ

نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

کون سے تھے؟ انیلا نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ اس کے
چہرے پر تصنع اور بناوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

وہی جو سب سے بعد اپنے کمرے سے نکلے تھے اور ابا جان نے انہیں گ
لگا لیا تھا۔

انیلا نے زوبی سے پوچھا

کیوں زوبی! کیا وہی ہیں دولہا بھائی۔

زوبی نے منہ سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے ثبات میں سر ہلا دیا۔

انیلا نے سلسلۂ سخن پھر جاری رکھا۔

وہ تو بالکل چھوٹی عمر کے ہیں میں تو سمجھی تھی وہ ناہید کا لڑکا ہے جو کسی
کالج کا طالب علم ہوگا۔

نومی نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

ایک بات کہنا تو آپ بھول ہی گئیں باجی!

کیا؟ انیلا کے لہجہ میں تجسس تھا۔

نوعمر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوبصورت بھی ہیں اور پر وقار بھی

انیلا کو تائید کرنا ہی پڑی۔

ہاں میں تو واقعی بے حد خوبصورت لیکن ——— انیلا نے کوئی نقص
نکالنے کی کوشش کی لیکن شاید نومی کی موجودگی کے باعث وہ کہتے کہتے رک گئی۔

نومی خاموش نہ رہ سکی۔ حیرت سے انیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

لیکن کیا؟

انیلا نے کمرے کی بوسیدہ دیواروں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

کچھ حد سے زیادہ غریب دکھائی دیتے ہیں۔

نومی کے لہجہ میں ترشی آگئی

اس سے کیا ہوتا ہے یہ امارت اور کم مائیگی کا فرق تو سب بکواس ہے اصل چیز تو انسان کی سیرت اور اس کا کردار ہے۔ اور یہی دونوں اوصاف انسان کی اصلیت کا پتہ ہیں ورنہ غریبی تو میرے خیال میں کوئی عیب اور نقص نہیں۔

انیلا جس کی رگ رگ میں رعونت بھری ہوئی نومی کی اس بات پر چڑھ ہی تو گئی۔

نقص کیوں نہیں نومی! لوگ کیا کہیں گے اتنے بڑے باپ کی بیٹی اور ایک معمولی اور بالکل مفلس قسم کے لڑکے سے بیاہ دی کیا تمہارے خیال میں یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

نومی نے اپنا لہجہ سخت کرتے ہوئے جھٹ کہا۔

ہرگز نہیں۔ یہ تو صرف آپ جیسے مغرور طبع لوگوں کی خیال آرائیاں ہیں ورنہ جو مزا اور سکون غریب کے جھونپڑے میں ہے وہ امارت میں ڈوبے ہوئے ایوانوں میں کہاں۔ جہاں کے مکیں دولت اور شراب کے نشے میں دھت مار اور بہن کے صحیح مقام کا تصور بھی نہیں کر پاتے۔

انیلا نومی کی حقیقت آمیز باتوں پر چھینپ گئی اور فوراً بات کا رخ ہی بدل ڈالا۔

او ہو۔ پہلی ہی ملاقات میں اتنی محبت ہوگئی ہے اپنے دولہا بھائی سے؟ پہلی ملاقات کیوں۔ میں تو شادی سے قبل تین بار یہاں آکر بھائی جان سے مل چکی ہوں۔

انیلا کے لہجہ میں حیرت آگئی۔

لیکن تم نے کسی سے ذکر تو نہیں کیا۔

ذکر کر کے ایک تو کوئی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ مجھے بھائی جان اور زوبی کا جوڑ بے حد پسند تھا۔ دوسرے ابا جان نے بھی منع کر دیا تھا۔

اچھا اب تو ان سے تعارف کرا دو نا۔

نومی نے جواب میں کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ ناہید نے اندر داخل ہو کر کھانے تیار ہونے کی اطلاع دی۔ تینوں اٹھ کر کھانے کے کمرہ میں داخل ہوئیں مرد پہلے ہی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ناہید نے زوبی کو نسیم کے سامنے لا بٹھایا پھر سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ لیکن زوبی کا دل جل رہا تھا اور ہاتھ کپکپا رہے تھے کیونکہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے نسیم کے چہرے پر اداسی ہی اداسی تھی اور پھر وہ کھانا بھی کچھ اس طرح کھا رہا تھا جیسے زبردستی کسی کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

کھانے کے بعد مرد پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ نومی اندر داخل ہوئی کمرے میں ادھر ادھر دیکھا پھر وجاہت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ابا جان! نسیم بھائی کہاں گئے۔

وجاہت فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

اپنے کمرے میں ہے بیٹی ! اس کی طبیعت کچھ ناساز ہے میں نے خود ہی اسے آرام کرنے کے لیے کہا ہے۔

نومی پھر بولی۔

واپس کب چلیں گے

تم نومی کو تیار ہونے کے لیے کہو پھر چلتے ہیں۔

بھائی جان بھی چلیں گے نا ساتھ ؟

اس کی صحت تو ٹھیک نہیں۔ ویسے تم خود اس سے بات کر لو۔

وجاہت تھوڑی دیر رک کر پھر بولے۔

میرا خیال ہے کہ اسے لے ہی چلتے ہیں ساتھ۔ وہیں ڈاکٹر کو بلا کر اسے دکھا لیں گے۔

نومی کچھ کہنے بغیر وہاں سے ہٹی اور سیدھی نسیم کے کمرہ میں داخل ہوئی وہ اپنے بستر کے قریب ایک کرسی پر سوچنے کے انداز میں بیٹھا آنکھیں نیم کھلی جانے کن خیالوں میں غرق تھا کہ کمرے میں نومی کی آواز گونجی۔

کیا سوچ رہے ہیں بھائی جان ؟

نسیم نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور سنبھل کر بیٹھتے ہوئے نومی کی طرف دیکھ کر کہا۔

آؤ نومی

میں نے کہا کس سوچ میں ڈوبے بیٹھے ہیں۔

کچھ بھی تو نہیں۔

اچھا تو پھر تیاری کیجیے اور چلیں۔

کہاں ؟

ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے کیا ؟

نہیں نومی میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔ ابھی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔

آپ فکر نہ کریں بھائی جان آپ کے وہاں پہنچنے ہی میں ڈاکٹر کو بلا بھیجو گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا چلیے اٹھیے نا۔

اب ضد نہ کیجیے

نسیم گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیکھو نومی ——— کمرے میں ناہید داخل ہوئی اور وہ فوراً خاموش ہو گیا لیکن نومی نے شکایت آمیز لہجے میں ناہید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

دیکھیے باجی ! بھائی جان ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہو رہے

ناہید نے آگے بڑھ کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

سیمی ! اٹھو نا تیاری کرو۔ نومی اگر اکیلی گئی تو لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کریں گے کہ لڑکا کیوں ساتھ نہیں آیا۔

نسیم کا لہجہ اداس تھا۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں باجی ! میں ذرا لیٹ میں چلا جاؤں گا۔

ضد نہ کرو سیمی ! اٹھو لباس تبدیل کرو۔

نسیم نے خاموشی سے نگاہیں اٹھا کر ناہید کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ

ایسے تاثرات تھے کہ وہ پگھل کر رہ گیا۔ منہ سے کچھ کہے بغیر اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے آمادگی کا اظہار کر دیا۔

"ناہید مسکرادی۔

نومی بھی کھل اٹھی

نسیم چپ چپ آہستہ آہستہ کمرے کے ایک کونے کی طرف بڑھا۔ اور اٹیچی سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔

ناہید نے نومی کی طرف دیکھ کر کہا۔

چلو نومی! ہم زوبی کو چل کر تیار کریں۔

دونوں تیزی سے باہر نکل گئیں۔

اور نسیم لباس تبدیل کرنے لگا۔

۵

لباس تبدیل کرنے کے بعد نسیم کمرے کے وسط میں کرسی پر بیٹھا تھا کہ نومی اندر داخل ہوئی۔ نسیم کو سر جھکا کر کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی پھر فوراً کسی بھی خیال کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دیتی ہوئی آگے بڑھی اور نسیم کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

بھائی جان! چلئے چلیں

نسیم اٹھ کھڑا ہو گیا

نومی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لائی۔

ناہید زوبی کو تھامے صحن میں کھڑی کاروں کی طرف جا رہی تھی۔ اُف وہ اس [illegible] سفید بروکیڈ کے غرارے اور گہری سرخ قمیض میں حسن کی دیوی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کا رنگ سرخ انار کی طرح دمک رہا تھا اور سب سے بڑھ

کر اس کا گداز اور بھرا بھرا جسم اسے قیامت بنائے ہوئے تھا۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے وجاہت، تسکین، ربیعہ، انیلا عقیل اور اختر بھی اسی سمت جا رہے تھے نسیم اور نومی بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

کاروں کے پاس پہنچ کر زوبی پہلے ناہید سے گلے ملی پھر عقیل کو پیار کرنے لگی۔ اس دوران تسکین بیساکھیوں کے بل آگے بڑھے اور بڑی شفقت سے زوبی کے سر پہ ہاتھ پھیرا اختر نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا اور وہ چور نگاہوں سے نسیم کی طرف دیکھتی ہوئی اندر جا بیٹھی۔

نومی فوراً نسیم کو مخاطب کر کے بولی۔

چلیے بھائی جان بیٹھیے۔

نسیم نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

پہلے تم بیٹھو شاید وہ زوبی کے ساتھ بیٹھنا چاہتا تھا۔

لیکن ناہید فوراً بول پڑی

نہیں نسیم تم بیٹھو پہلے۔

نسیم کچھ جھجکا۔

وجاہت بھی بول اٹھے

بیٹھو بیٹھو بیٹا۔

اب کے نسیم کچھ کہے بغیر زوبی کے ساتھ بیٹھ گیا اس کے دوسری طرف نومی جم گئی۔ وجاہت اگلی نشست پر جا بیٹھے اور ربیعہ، انیلا اور اختر اپنی کار میں گھس گئے پھر انجن سٹارٹ ہوئے اور کاریں حویلی سے نکل کر بڑی تیزی سے سڑک پر رینگنے لگیں۔

راستے میں زوبی اپنا شانہ نسیم کے شانے سے لگائے بار بار میٹھی میٹھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی نسیم کو جانے کیا سوجھی وہ تھوڑا نومی کی طرف کھسک کر زوبی کی مخالف سمت دیکھنے لگا۔ زوبی نے اس کی اس حرکت کو دل کی گہرائی سے محسوس کیا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ شیشوں میں باہر خاروں میں گھورنے لگی۔

دونوں کاریں وجاہت کی کوٹھی میں رکیں۔ سب باری باری نیچے اتر گئے۔ انیلا زوبی سے تھوڑی دیر بعد آنے کا وعدہ کرتی ہوئی ربیعہ اور اختر کے ساتھ پھر کار میں بیٹھ گئی۔ ربیعہ کو انہوں نے وجاہت کی کوٹھی کے بالکل ساتھ والی کوٹھی کے گیٹ کے قریب اتار دیا اور خود دونوں اپنے گھر چلے گئے۔

نسیم، وجاہت زوبی اور نومی کار سے اتر کر ڈرائنگ روم سے ملحقہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈرائیور اور ملازمہ نسیم اور زوبی کے اٹیچی اور دوسرا ضروری سامان بھی کار سے اتار کر وہیں لے آئے۔ یہ وہی کمرہ تھا۔ جس میں نسیم قبل ازیں بھی ایک رات گزار چکا تھا۔ نومی نے فوراً ملازموں کی مدد سے کمرے میں نسیم اور زوبی کے لیے دو اسپنج کے گدھے دار پلنگ لگوا دیئے دونوں کا سارا سامان بھی اس نے بڑے قرینے سے اسی کمرے میں جما دیا۔

زوبی اور نومی جلد ہی دوسرے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ وجاہت کچھ دیر نسیم کے پاس ہی رہے پھر وہ بھی باہر آئے اور ڈرائیور کو فوراً ڈاکٹر لانے کے لیے کہا۔ نسیم اتنی دیر میں لباس تبدیل کر کے ایک بستر پہ دراز ہو گیا وجاہت پھر کمرے میں داخل ہوئے نسیم نے انہیں دیکھتے ہی اٹھنے کی کوشش کی لیکن وجاہت

نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار میں پچکار کر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
لیٹے رہو بیٹا!
نسیم انہیں ممنون نگاہوں سے دیکھتا ہوا پھر لیٹ گیا
وجاہت کرسی کھینچ کر قریب ہی بیٹھ گئے
زوبی اور نومی ملازمہ کو کھانے کے متعلق ضروری ہدایات دینے دوبارہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ زوبی تو خاموشی کے ساتھ نسیم کے پلنگ قریب کرسی پر بیٹھ گئی لیکن نومی متجسس نگاہوں سے نسیم کی طرف دیکھتے بولی۔

طبیعت زیادہ تو نہیں خراب ہو گئی بھائی جان!
نسیم نے مصنوعی ہنسی لبوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔
نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میری طبیعت تو اب ٹھیک ہے۔
لائیے مجھے بازو تو دکھائیے۔
نسیم نے بغیر کسی تعوض کے بازو آگے بڑھا دیا۔
نومی ذرا گھبراہٹ اور تشویش کے ملے جلے جذبات سے بولی۔
اف بھائی جان! آپ کو تو بڑا تیز بخار ہے۔
وجاہت فکر مند ہو گئے۔
زوبی کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا اور وہ مغموم نگاہوں سے نسیم کی طرف دیکھنے لگی۔
نومی پھر دکھ کے سے انداز میں مخاطب ہوئی۔

بھائی جان! یہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے۔
نسیم پھر ٹالنے لگا۔
کچھ بھی نہیں تم تو بس یونہی فکر مند ہوئی جا رہی ہو۔
نومی وجاہت کی طرف دیکھ کر بولی۔
اباجان! جلدی ڈاکٹر بلا ہے۔ بھائی جان کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔
وجاہت دھیرے سے بولے۔
تم فکر نہ کرو بیٹی۔ میں ڈرائیور کو پہلے ہی ڈاکٹر کو لانے کے لیے بھیجوا چکا ہوں۔
نومی قریب ہی بیٹھ کر نسیم کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔
وجاہت اور زوبی خاموشی اور اداسی سے دونوں کی طرف دیکھنے لگے۔
تھوڑی دیر بعد ڈرائیور کی رہنمائی میں ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ وجاہت کے چہرے پر کچھ سکون کی لہریں پھیل گئیں۔ اپنی جگہ سے وہ اٹھے اور ڈاکٹر کو مخاطب کر کے نسیم کو دیکھنے کے لیے کہا ڈاکٹر بڑے انہماک سے کچھ دیر نسیم کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر پیچھے ہٹا اور وجاہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
آپ ذرا میری بات سنئے۔
دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ کھڑے ہوئے۔
وجاہت پژمردہ سے ہو کر بولے۔
کیا بات ہے ڈاکٹر؟
ڈاکٹر نے کچھ رک کر کہا۔

کسی اچانک صدمے نے اس کے اعصاب پر اثر کیا ہے اگر کچھ عرصہ کیفیت رہی تو وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائے گا اس کے علاوہ کوئی بیماری نہیں۔ بس اب اس کا غم جان کر اسے رفع کرنے کی کوشش اس طرح تو وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔

وجاہت سر جھکائے پھر اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر جیسے کی لہروں کا تموج تھا زوبی یہ ظالم دیکھ کر احتلالِ حواس میں ڈوب کر رہ گ جلد ہی وجاہت کی آواز سے اس کا بہرنگ خیال ٹوٹ گیا۔

کیا بات ہے نسیم یہ اتنی جلدی تمہاری صحت کیسے خراب ہو گئی۔

کچھ بھی نہیں آپ یوں ہی ڈاکٹر کی باتوں پر نہ جایئے میں تو بالکل اس نے فوراً چارپائی پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا کوئی بات تو ضرور ہے جیسے تم دل ہی میں رکھ کر اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو۔

عین اس لمحہ ملازمہ نے ڈائننگ روم میں کھانا لگائے جانے کا اور نومی فی الفور بول اٹھی۔

چلیے بھائی جان۔ پھر کھانے کھایئے۔

نسیم فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

ہاں ہاں۔ چلو۔ شاید وہ پہلے ہی اس بحث سے چھٹکارا کی فکر میں تھا۔

وجاہت بھی کچھ سوچ کر چپ ہو رہے۔

سب خاموشی سے کھانے کے کمرے کی طرف چل دیئے۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریکیاں چاروں طرف بڑی بیباکی سے دندنانے ں اور رات اپنی سیاہ زلفیں پھیلائے اندھیرے سے لپٹتے ہوئے مدہوشی الم میں جھومنے لگی۔ شبنم کلیوں پر سچھاور ہوتی ہوئی شفاف موتیوں کی شکل اختیار نے لگی اور مرغِ چمن اپنی مہ بار آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے مسکرا اٹھے۔

کھانے کے بعد وجاہت اور نومی اپنے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔ نسیم اپنے کمرے آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد زوبی بھی اندر داخل ہوئی اور دروازے کے ہ سے چٹخنی لگاتے ہوئے نسیم کی طرف بڑھنے لگی وہ اس وقت باریک اور سفید شب ی کا لباس پہنے اپنے حسن اور رعنائی سے قیامت برپا کئے ہوئے تھی اور اس سرخ سرخ جسم باریک لباس میں سے جھانکتا ہوا کمرے میں خوابوں کی سی رنگینی اور ن بکھیرنے لگا تھا۔

نسیم اس کی آمد سے بے خبر آنکھیں بند کیے ہوئے بستر پر لیٹا رہا۔ زوبی اپنا ں سمیٹتی ہوئی اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ لمحے وہ بڑے پیار اور شوق نسیم کو گھورتی رہی لیکن نسیم پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر زوبی کو مجبوراً بولنا ہی پڑا۔

کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا۔

زوبی اس بار نسیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتی ہوئی بولی۔

میں نے کیا پوچھا ہے۔

نسیم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ ا لیا۔

زوبی اس بار نسیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتی ہوئی بولی۔

میں نے کیا پوچھا ہے؟

نسیم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ
لیا۔

زوبی کا دل کملا گیا۔ لیکن پھر بھی ہمت سے کام لیا اور نسیم کے بالوں میں
پھیرتے ہوئے درد بھرے لہجہ میں کہا۔

مجھے آپ کی ناراضگی کا علم ہے لیکن ——————

نسیم نے اس کا ہاتھ ہٹا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

پہلے میری پوری بات تو سنئے زوبی کے لہجہ میں التجا تھی۔

نسیم نے خفگی سے کہا۔

میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ بس تم یہاں سے ہٹ جاؤ۔

زوبی غمگین ہو کر بولی۔

اتنی نفرت اچھی نہیں ہوتی۔

نسیم نے بیزاری سے کہا۔

میں بہت جلد یہ نفرت اور محبت کی سب دیواریں توڑ دوں گا۔ تمہیں
چاہیے نا؟ وہ تمہیں مل جائے گی مجھے بس کچھ دن کا موقعہ دو تاکہ میں ذہن
اٹھنے والے بے ہنگم خیالات سے چھٹکارا حاصل کر لوں اور دوسری طرف
سماج کی نگاہوں میں شادی کے فوراً بعد طلاق دینے کا مجرم بھی نہ ٹھہروں۔

زوبی نے خاموش رہتے ہوئے کچھ سوچا۔ پھر سارے تکلفات بالائے
رکھ کر نسیم کے پلنگ کی پٹی پر ہو بیٹھی اور خدا ہمت سے کام لیتے ہوئے
مجھے کسی طلاق کی ضرورت نہیں۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں ایسا اگر
آ بھی گیا تو میں زندگی پر موت کو ترجیح دوں گی۔

میں آپ کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی مجرم ضرور ہوں لیکن پہلے آپ میری
پوری بات سن لیں اس کے بعد طلاق کے علاوہ جو آپ سزا میرے لیے تجویز
کریں گے مجھے بخوشی منظور ہو گی۔

تنگ نہ کرو زوبی میں تمہاری کوئی بھی بات سننے کا خواہش مند نہیں۔

میں اب آپ کی بیوی ہوں۔ جب آپ مجھ سے نفرت کرنے ہی لگ گئے
ہیں تو اس نفرت کا پس منظر بھی آپ کو سننا ہو گا۔

نسیم غصے میں تلملا اٹھا

میرے ذہن میں پہلے ہی تلاطم برپا ہے زوبی۔ مجھے اس طوفان میں
اور آگے نہ گھسیٹو —————— کچھ دیر وہ چپ رہا پھر نہ جانے اسے کیا
کیا خیال گزرا۔ اوپر اوڑھی ہوئی چادر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ تمہاری
ان باتوں سے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تم بیٹھو میں ابھی جاتا ہوں یہاں
سے۔

زوبی نسیم کے پرسوز لہجہ سے بیتاب ہی تو ہو کر رہ گئی۔ فوراً اس کے دونوں
ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بستر پر لٹا کر غمگین طبعی سے کہا۔

آپ آرام کریں میں خود یہاں سے اٹھ جاتی ہوں جلد ہی وہ اپنی جگہ پر
کھڑی ہو گئی۔ چند ثانیے بڑی حسرت سے نسیم کو گھورا پھر لڑکھڑاتی ہوئی واپس مڑی
اور کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے ہوئے پلنگ پر دھم سے گر پڑی
زوبی کے چہرے پر موت کی سی اداسی تھی۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا بہتا ہوا سوتا
تکیئے میں جذب ہونے لگا۔

۶

اگلے روز شام سے تھوڑی دیر قبل زوبی کے ساتھ نسیم گھر واپس لوٹ آیا
زوبی کچھ دیر اپنے کمرے میں اپنا سامان درست کرتی رہی۔ پھر جانے کیا ارادہ
ہوئے باہر آئی اور آہستہ آہستہ نسیم کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن کمرہ خالی تھ
شاید کہیں باہر چلا گیا تھا کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر وہ کسی سوچ میں ڈ
گئی نہ جانے کیوں؟ جلد ہی وہ چونکی اور آگے بڑھنے لگی۔ کمرے کے سامنے وا
کے ساتھ نسیم کا بستر لگا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک بڑی سی مسہری پر ایک
صاف ستھرا بستر بھی تھا شاید ناہید نے وہ پہلے سے ہی زوبی کے لیے لگا
تھا۔

زوبی نے پہلے دونوں بستروں کی چادریں اور تکیے درست کیے پھر نسیم
کمرے کی ہر چیز قرینے سے جمانے لگی۔ شام چونکہ ہونے کو تھی۔ اس لیے

باورچی خانہ میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی نسیم کے کمرہ سے نکل کر زوبی ناہید کا
ہاتھ بٹانے کی غرض سے باورچی خانہ میں آئی لیکن ناہید نے اسے کوئی بھی کام کرنے
کی اجازت نہ دی۔ وہ وہاں سے بھی نکل آئی۔

تسکین اپنے کمرے میں پڑے شاید وقت گزارنے کی خاطر ایک موٹی سی کتاب
پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ عقیل صحن میں کرسی پہ بیٹھا پڑھائی میں مصروف
تھا۔ زوبی کے لیے نسیم کا انتظار ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا وہ عقیل کی
طرف گئی اور بڑے انہماک سے اسے پڑھانے لگی۔

شام ہو کر بیت گئی شفق پھول کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور رات
اپنی تمام تر نکہتوں کے ساتھ آمد وار ہوئی لیکن نسیم ابھی تک گھر واپس نہ لوٹا
تھا۔ تسکین بار بار ناہید سے اس کے متعلق پوچھتے وہ خود بیچاری بھی
بیرونی دروازے کی اوٹ میں ہو کر باہر سڑک کی طرف دیکھتی۔ لیکن مکان کے
عین سامنے چائے کے کیبن کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ہوئے چند آدمیوں کے
سوا سڑک بالکل سنسان تھی۔

ناہید خود پریشان ہونے کے باوجود تسکین کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی
دینے لگی۔ عقیل بھی ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا ہاں زوبی نسیم کے کمرہ میں بے
چین سی کرسی پر بیٹھی ٹکٹکی باندھے بیرونی دروازے کی دیکھ رہی تھی۔ اچانک
ناہید اندر داخل ہوئی اور زوبی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے
کہا۔

زوبی! چلو اٹھو کھانا کھا لو

زوبی چونک پڑی

وہ آگئے کیا باجی؟

نہیں نسیم تو ابھی تک نہیں آیا لیکن تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ اٹھو چل کر کھانا کھا لو۔

زوبی کو روہانسی سی آواز بلند ہوئی۔

نہیں باجی وہ آجائیں پھر اکٹھے ہی کھائیں گے۔

ناہید چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی اور اسی طرح تسکین اور عقیل کے پاس جاکر بیٹھ گئی۔

ابھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ نسیم اپنے کمرہ میں داخل ہوا۔ زوبی اسے دیکھ کر خوشی سے پھول کی طرح کھل اٹھی۔ نسیم ابھی کمرے کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ زوبی اپنے لبوں پہ طہارت شکن مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی بولی۔

کہاں چلے گئے تھے آپ؟

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا۔

زوبی اس کی بیگانگی کا اثر لیے بغیر پھر اسی انداز میں بولی۔

چلیے کھانا کھائیے۔ ابا جان، باجی اور عقیل کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

نسیم نے کچھ سوچ کر اپنے سامنے میز پر پڑی ہوئی ایک کتاب اٹھائی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

زوبی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

اتنی طویل ناراضگی بھی اچھی نہیں ہوتی۔

نسیم اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا

زوبی نے بھی اپنی شوخ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ لیکن نسیم فوراً اپنا ہاتھ چھڑاتا ہوا درشتی سے بولا۔

چھوڑو میرا ہاتھ

زوبی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ناہید اندر داخل ہوتی ہوئی بولی۔

کہاں چلے گئے تھے نسیم۔ بتا کر تو گئے ہوتے اتنی دیر سے سب پریشان ہو رہے ہیں۔

نسیم زبردستی مسکرا دیا۔

کہیں بھی نہیں باجی! دوستوں کے ساتھ ذرا بازار چلا گیا تھا۔

لیکن گھر تو جلدی واپس لوٹ آئے ہوتے۔

اپنے آفس کا مینجر مل گیا تھا باجی! بس اس کے ساتھ باتوں میں دیر ہوگئی مجھے تو کل سے دفتر بھی جانا پڑے گا۔

کیوں؟ ناہید کی آواز تفکر آمیز تھی۔

وہ کہہ رہا تھا کہ کام کچھ زیادہ ہوگیا ہے۔

تم نے کہا تو ہوتا کہ میری چھٹی ہے۔

کہا تو تھا باجی! لیکن وہ نہیں مانا اور پھر فرق بھی کیا پڑتا ہے گھر بھی تو میں بیکار ہی پڑا رہوں گا۔

زوبی کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ ناہید نے بھی اسے تھوڑی دیر شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھا پھر دونوں کو کھانے کے کمرہ کی طرف لے گئی۔

رات نسیم کو اپنے بستر پر لیٹے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ زوبی اندر داخل ہوئی اور چپ چاپ اس کے پلنگ پر آکر بیٹھ گئی۔ نسیم برابر کسی سوچ میں غرق رہا۔ زوبی بھی کچھ سوچتی رہی۔ کمرے میں اداس اداس خاموشی چھائی رہی۔ آخر زوبی اندھی ہوئی آواز سے بولی۔

آپ نے اپنی چھٹی کیوں ختم کرادی؟

نسیم نے کچھ بھی نہ کہا اور کروٹ لیتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

زوبی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ کچھ دیر بڑی بیچارگی سے وہ نسیم کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک اسے نہ جانے کیا سوجھی اور نسیم کے پاؤں پر اپنا سر رکھ کر ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے میں اپنی غلطی کی معافی مانگتی ہوں۔ میں ——— میں ——— اس سے آگے وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اور نسیم کے پاؤں سے اپنے گال مس کرتی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نسیم جانے کیوں اتنا کھٹور ہوگیا تھا پتھر کا بت بنا وہ اسی طرح پڑا رہا۔ زوبی برابر سسکیاں لیتی ہوئی روتی رہی اور نسیم کچھ سوچتا ہوا جانے کب سوگیا۔ زوبی پوری رات اس کے پاؤں پر پڑی رہی۔

صبح جب وہ سو کر اٹھا اور باورچی خانہ کے آگے سے گزرتے ہوئے غسل خانے کی طرف جانے لگا تو رک سا گیا۔ اندر ناہید زوبی کا بازو پکڑ کر باہر کھینچتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

زوبی! تم جاؤ جاکر آرام کرو۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔

زوبی نے کمال شائستگی سے کہا۔

نہیں باجی! آج سے سارا کام میں کیا کروں گی پھر وہ زبردستی چولہے کے پاس بیٹھ کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔ نسیم کسی بات کے جذبات کا اظہار کیے بغیر آگے نکل گیا۔

نہانے کے بعد نسیم اپنے کمرہ میں لباس تبدیل کر چکا تھا کہ زوبی اندر داخل ہوئی ہوئی ٹھٹک سی گئی نسیم گرے پتلون اور سفید قمیض میں بے حد وجیہہ اور پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحے زوبی پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ کر نسیم کی قمیض کے کالر درست کرنا چاہے تو اس نے زوبی کے ہاتھ نفرت سے جھٹک دیئے۔ زوبی سوالیہ نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی۔ جلد ہی اس نے کچھ سوچا کمرے کے ایک طرف آہستہ آہستہ بڑھی۔ الماری پر رکھے ہوئے اپنے پرس سے دس دس کے کئی نوٹ نکال کر اس نے جو نسیم کی جیب میں ڈالنے کی کوشش کی تو نسیم نے روپے چھین کر فرش پر پھینک دیئے۔ زوبی کی نگاہیں پرنم ہوگئیں۔ نوٹ اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ناشتے کی ٹرے اٹھائے پھر اندر داخل ہوئی۔ نسیم نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ ناشتے کی ٹرے میز پر رکھنے کے بعد زوبی اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہوئی بھیگی پلکوں کے ساتھ مدہم اور پرسوز آواز میں بولی۔

ناشتہ کیجئے۔

خود کرو مجھے تمہارے ناشتے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نسیم کی آواز میں غصہ تھا جونہی اس نے کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی زوبی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

میں کہتی ہوں ناشتہ کر کے جائیے۔

نسیم اپنا بازو چھڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ دروازے کے قریب ہی اس کی مڈبھیڑ تسکین سے ہو گئی۔ جو اپنی بیساکھیوں کے بل چلتے ہوئے ادھر ہی آ رہے تھے سامنے ہی دوسرے کمرہ میں عقیل بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا اور ناہید اس کے پاس بیٹھی تھی۔ نسیم کو دیکھتے ہی تسکین بڑی شفقت سے بولے۔

آفس جا رہے ہو بیٹا؟

نسیم نے فوراً چہرے پر بشاشت بکھیر لی۔

جی ہاں

ناہید بھی کمرے سے باہر آتی ہوئی بولی۔

ناشتہ کر لیا نسیم؟

ہاں بھابی!

کمرے میں بیٹھا ناشتہ کرتا ہوا عقیل بھی زور سے چلایا

چچا جان ٹھہریئے مجھے بھی ساتھ لیتے جائیے۔

نہیں عقیل تم ذرا ٹھہر کر سکول چلے جانا۔ مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔

نسیم نے ذرا مدھم سی آواز میں کہا پھر وہ بڑی تیزی سے صحن عبور کرتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔

۷

ناہید پھر عقیل کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ تسکین نسیم کے کمرہ میں داخل ہوئے اندر زوبی ایک کرسی پر بیٹھی رو رہی تھی اور اس کے سامنے ناشتے کی ٹرے اسی طرح بھری پڑی تھی تسکین کو دیکھتے ہی زوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تسکین کمرے کے وسط میں کھڑے ہوئے اور اپنا سارا بوجھ بیساکھیوں پر ڈالتے ہوئے کہا۔

تم رو رہی ہو بیٹی؟

زوبی فوراً آنسو پی گئی اور اپنے گال خشک کرتے ہوئے زبردستی مسکرائی

جی نہیں تو

تسکین گہری نگاہوں دیکھنے لگے

نسیم نے ناشتہ نہیں کیا کیا؟

زوبی کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔

جی نہیں

تسکین کسی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بلیا کھیوں کے بل واپس مڑے اور سست سی رفتار کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

نسیم جب آفس سے لوٹا تو کھانے کے بعد تسکین نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔ نسیم دل میں فکر اور تشویش کا طوفان لیے اندر داخل ہوا اور تسکین کے سامنے کچھ کہے بغیر خاموشی سے بیٹھ گیا کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا تسکین کے چہرے پر گوناں گوں جذبات اپنے رنگ جماتے رہے آخر ان کی دھیمی، شفقت آمیز مگر دل گداز سی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا گئی

بیٹا! زندگی ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ خبر نہیں موت کب اپنے بے رحم ہاتھوں سے ہم دونوں باپ بیٹے کے درمیان جدائی کی ایک ناقابل عبور دیوار کھینچ دے۔ میری منزل کی متلاشی نگاہیں جب تم پر گرتی ہیں تو میں سکون محسوس کرتا ہوں کہ میرا بھی کوئی مضبوط سہارا ہے۔ اور مجھے اس بات کی بھی بے حد خوشی ہے کہ تم عقلمند سنجیدہ اور سلجھے ہوئے ہو لیکن اس کے باوجود شاید گھر کی نا اتفاقی کے باعث مجھے قبل از وقت ہی موت سے بغلگیر ہونا پڑے۔

نسیم بیتاب ہو گیا

ابا جان! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟

تسکین کی آواز میں دکھ اور درد کی آمیزش آ گئی۔

میری نگاہوں کی بالغ نظری دھوکہ نہیں کھا سکتی نسیم! زندگی کے افق مجھے کچھ ایسے شبہات نظر آنے لگے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہیں وہی چڑھتے ہوئے تند طوفان کی شکل اختیار کر کے اس گھر کے سکون اور آرام کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر نہ لے جائیں۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو شاید مرنے کے بعد بھی میری روح کو کبھی سکون میسر نہ ہو۔

نسیم بات کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ تسکین کی جگہ تسلی کے لیے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

ابا جان! آپ شکوک کو دل میں جگہ نہ دیجیے۔ میں اپنے کسی فعل سے آپ کو دکھ نہیں پہنچاؤں گا۔ حالات زبردستی اگر مجھے زندگی کی تلخیوں اور کانٹوں کی طرف گھسیٹ لے جائیں تو وہ اور بات ہے۔

اگر یہ بات ہے تو آج صبح تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا اور زوبی تمہارے کمرے میں بیٹھی رو کیوں رہی تھی بات کو گہرائی میں جاتے دیکھ کر نسیم اٹھ کھڑا ہوا اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکا سا قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ابا جان! آپ بھی کیا معمولی بات لے بیٹھے ہیں۔ وہ پگلی تو بات بات پر رونے لگتی ہے۔ صبح میرا جی نہیں چاہ رہا تھا اس لیے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ وہ جانے کیا سمجھ بیٹھی ہو گی۔

بات ختم کرتے ہی نسیم باہر نکل گیا اور تسکین اسے عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس واقعہ کو پانچ چھ دن گزر گئے نسیم اور زوبی کے تعلقات اچانک اسی طرح کشیدہ اور الجھے ہوئے ہی تھے۔ جمعہ کے روز نسیم سویرے دفتر سے لوٹ آیا۔ اپنے کمرہ میں بیٹھے اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ زوبی چائے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ نسیم نے اس کی آمد سے کوئی اثر نہ لیا۔ لیکن زوبی خود ہی بول پڑی۔ چائے میں نے نہیں باجی نے بنائی ہے اگر آپ کو میرا چائے لانا بھی پسند نہ ہو تو واپس لے جا کر عقیل کو بھجوا دیتی ہوں۔

زوبی نے یہ الفاظ کچھ ایسی ادا اور خوبصورتی سے کہے تھے کہ سخت سے سخ
دل بھی پگھل کر رہ جاتا لیکن نسیم جانے کیوں بت بیداد گر بن گیا تھا کچھ کہے بغیر صرف
اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ زوبی نے چائے بنا کر اسے پیش کی اور نسیم آج خلاف معمول
چائے نے کر پینے لگا۔ زوبی اس کی اس حرکت پر خوشی میں جھوم ہی تو گئی۔ ہونٹوں
پر آج پہلی بار نشیلی مسکراہٹ پھیل گئی اور کئی دنوں سے جدائی کے احتراق میں
جلتا ہوا دل مستقبل کی امیدوں کے سہارے بڑی تیزی سے دھڑک اٹھا۔ اچانک
ہی اسے نامعلوم کیا سوجھی بڑی تیزی سے کمرے کے ایک کونے کی طرف گئی اور
اپنے پرس سے سو سو کے نوٹوں کی ایک موٹی سی گٹھی نکال کر نسیم کی طرف بڑھا کر
چہکتے ہوئے کہا۔

یہ لیجئے تین ہزار روپے یہ مجھے شادی پر ملے تھے آپ کل انہیں اپنے نام
پر بینک میں جمع کرا دیجئے۔

نسیم نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر چائے کی پیالی میز پر رکھی اور نوٹوں
کی گٹھی زوبی سے لے کر بڑے غصے کی حالت میں فرش پر پٹختے ہوئے زور
سے چلایا۔

لے جاؤ انہیں اور دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھے بھکاری سمجھ رکھا ہے کیا؟

نوٹ فرش پر گرے ہی تھے کہ تسکین اندر داخل ہوئے۔ نسیم کے الفاظ
وہ غصے میں بھڑک اٹھے بیساکھیوں کے سہارے غیر معمولی رفتار سے وہ آگے بڑھے
اور پوری قوت کے ساتھ نسیم کے چہرے پر لگاتار طمانچے برساتے ہوئے
سے گرجے۔

بے حیا! تمہیں انسانوں کی طرح ایک دفعہ سمجھایا تھا کہ گھر کے سکون اور

اتفاق کو برباد نہ کرو۔ لیکن تم نے پھر وہی ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا نا۔ بے شرم
تم جیسے کو رشتہ کون دیتا ہے اگر یہ لڑکی ہی بھول کر اس گھر میں آ گئی ہے تو
تم ہی انسانیت کا ثبوت دو۔

زوبی بھاگ کر نسیم کے سامنے کھڑی ہوتی ہوئی چلائی۔

ابا جان! خدا کے لیے انہیں کچھ نہ کہیے۔ غلطی میری ہے۔ ان کا کوئی
دوش نہیں۔

لیکن تسکین برابر اپنا ہاتھ نسیم کے چہرے پر برسائے جا رہے۔ اتنی دیر
میں ناہید ایک طرف سے بھاگتی ہوئی آئی اور تسکین کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس
نے نسیم کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپانے کے بعد اس کا سر اپنی چھاتی سے
لگاتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا۔

ابا جان! یہ کیا کیا آپ نے؟

تسکین کے ہاتھ رک گئے۔ عقیل بھی وہاں پہنچ گیا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے
تسکین کی طرف دیکھ کر روتے ہوئے بولا۔

بابا! کیوں مار رہے ہیں آپ چچا جان کو؟

تسکین سر جھکائے خاموشی سے باہر نکل گئے۔ ناہید نسیم کو اپنے چھاتی سے
لگائے اس کا چہرہ سہلاتی ہوئی اپنے کمرے میں لے گئی۔ عقیل بھی ان کے پیچھے
پیچھے نکل گیا۔ زوبی دھڑ سے بستر پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

۸

تاریک رات کا ہر لمحہ دراز ہوتا ہوا آنچل شبنمی قطروں کی نمی میں آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ اندھیرے میں ماحول کی ہر رعنائی کچھ اس طرح سکوت کی د تہوں میں کھو گئی۔ جیسے لوٹے ہوئے مزاروں پر جلتے چراغ اچانک بجھ جانے خاموشی اور اداسی اپنا رنگ جمانے لگی ہو۔ نسیم اپنے بستر پر دراز سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ زوبی اندر داخل ہوئی اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔ زوبی ا کے پلنگ پر بیٹھ کر بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ نسیم نے اپنی نگاہیں ج کی طرف مرکوز کر دیں لیکن جلد ہی زوبی کی رقت آمیز آواز نے اسے چونکا کر رکھ

خدا کے لیے مجھے یوں انگاروں پر نہ لوٹائیے اس طرح گھٹ گھٹ کر مار کے بجائے تو آپ ایک بار ہی میرا گلا گھونٹ کر ختم کر دیجیے مجھے مفارقت اور ط کی زندگی نہیں چاہیے۔ نہیں چاہیے، نہیں چاہیے۔ پھر وہ اس کے پاؤں پر سر

کر سسکیاں لیتی ہوئی چپکے چپکے رو دی۔

نسیم اٹھ کر بیٹھ گیا اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے تھوڑی دیر اس نے کچھ سوچا پھر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ زوبی کے شانے پر رکھ دیا۔ زوبی نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی سسکیاں روکتی ہوئی نسیم کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم تھا اور آنکھوں میں چونکا دینے والی محبت کی چمک۔ زوبی کے چہرے پر حیا آمیز اور دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ زور سے نسیم پکارتی ہوئی اٹھی اور اس سے لپٹ گئی۔ اس کے سرخ سرخ سفید اور بھیگے بھیگے چکنے گال نسیم کے ہونٹوں کو چھوتے ہوئے کمرے کی فضا کو مے بار بنانے لگے۔ نسیم نے بھی اسے اپنی گود میں سمیٹ کر سختی سے بھینچ لیا اور رات مسکراتی ہوئی دھیرے دھیرے گزرنے لگی۔

دوسرے روز کی صبح گھر میں درخشاں سحر کی سی تھی۔ نسیم اور زوبی کے مابین اختلافات دور ہو چکے تھے۔ دوریاں قربتوں میں بدل گئیں۔ تعلقات کا جمود اور یکسانیت۔ شگفتگی اور مسرت کا لبادہ اوڑھ کر بادِ نو کے کسی لطیف جھونکے کی طرح دونوں کی زندگی میں داخل ہوئے اور گھر کے ماحول کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

غسل کے بعد نسیم تولیہ سے منہ صاف کرتا ہوا اپنے کمرہ میں داخل ہوا تو زوبی میز پر ناشتہ لگانے کے بعد قریب ہی کھڑی تھی۔ بناؤ سنگار نے اسے جاذبِ نظر بنا دیا تھا اور لپ سٹکس کی ہلکی سی تہہ نے اس کے حسن میں تابناکی کی حد تک اضافہ کر کے رکھا تھا۔ عقیل غسل خانہ میں تھا۔ تسکیں اپنے کمرہ میں اور ناہید دوسروں کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھی۔

زوبی کا خیال تھا نسیم اسے اس حشر سامانی میں دیکھ کر خوشی میں جھوم ہی

جائیگا۔ لیکن

لیکن

اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر پریشانی اور تاسف کے ملے جلے جذبات ابھر گئے زوبی اس کی حالت پر کانپ کر رہ گئی۔ اچانک نسیم خود ہی بول پڑا۔

زوبی! یہ کیا۔ اس نے اس کے سنگار کی طرف اشارہ کیا۔

زوبی نے مدہم سی آواز میں پوچھا

آپ کو پسند نہیں کیا؟

اول ہوں۔ مجھے سادگی بے حد پسند ہے۔ بناوٹ اور تصنع سے مجھے چڑ ہے۔

زوبی نے کچھ سوچا پھر باہر آکر منہ پر منہ دھونے لگی۔

اسی درمیان میں مکان کے بیرونی دروازے پہ کسی نے دستک دے کر نسیم کو بلایا اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

دوبارہ جب وہ اندر داخل ہوا تو زوبی تولیہ سے منہ پونچھ رہی تھی۔ قبل اس کے وہ کسی سے کچھ کہتا باورچی خانہ کے باہر کھڑی ناہید فوراً بول پڑی۔

کس نے بلایا تھا نسیم؟

عادل آیا تھا بھابی

کیوں کیا کہہ رہا تھا؟

کہہ رہا تھا۔ ورکشاپ میں ایک کاریگر کی جگہ خالی ہے۔ آفس چھوڑ کر وہیں آ جاؤ۔

پھر تم نے کیا کہا؟

میں نے انکار کر دیا ہے۔

بالکل ٹھیک کیا تم نے۔ کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی۔ لیکن تم نے اسے ناشتے کے لیے تو پوچھا ہوتا میں نے تو بہت اندر کھینچا لیکن وہ کام پہ جلدی جانے کا کہہ کر چلا گیا۔

اچھا جاؤ ناشتہ کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

نسیم خاموشی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ زوبی بھی اندر ہی آگئی اور نسیم کے پاس کھڑی ہو کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

اب تو میں آپ کو اچھی لگتی ہوں نا؟

نسیم نے بغور اس کے غازے سے بے نیاز ہو دھلے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا پھر نہایت خوش کن ادا سے اس کے ہونٹوں پہ دائیں ہاتھ کی انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

ہاں

زوبی کا چہرہ خوشی میں نکھر گیا اور پیار میں اس نے نسیم کی انگلی چوم لی۔

زوبی خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گئی اور نسیم ناشتہ کرنے لگا۔ اچانک اسے جانے کیا سوجھی اور تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

آپ پہلے کیا کسی ورکشاپ میں کام کرتے تھے؟

نسیم نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ہاں۔ ماڈرن موٹر ورکشاپ میں مکینک تھا۔

پھر چھوڑ کیوں دیا؟

بس یونہی ۔ تنخواہ وہاں اور یہاں ایک جیسی ہی تھی ۔ لیکن آفس کا کام ذرا سقرا ہوتا ہے ۔ لہذا ورکشاپ چھوڑ کر آفس کی نوکری کرلی ۔

اور یہ عادل کون ہے ۔

میرا بہت اچھا دوست ہے ۔ ورکشاپ میں وہ اور میں اکٹھے ہی کام کیا کرتے ۔ بڑا ہی غمگسار اور دردمند انسان ہے ۔

زوبی خاموش ہو گئی ۔

ناشتہ کے بعد نسیم آفس چلا گیا اور وہ گھر کے چھوٹے موٹے سے کاموں میں لگ سی گئی ۔ سہ پہر کے قریب انیلا اور نومی آگئیں ۔ زوبی اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھی نٹنگ کر رہی تھی ۔ انیلا اندر گھستے ہی شوخی سے بولی ۔

چلو زوبی تیار ہو جاؤ ۔

کہاں؟ اس نے سلائیاں ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا ۔

ارے شاپنگ کے لیے بازار اور کہاں !

نہیں باجی ۔ پھر کبھی چلیں گے ابھی تو وہ آفس سے لوٹنے ہی والے ہیں تو پھر کیا ہے ۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا سے زیادہ انہیں چائے کی ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے باجی ناہید گھر پر نہیں باجی کہیں جانے کے لیے مجھے ان سے پوچھنا بھی تو پڑے گا ۔

انیلا نے طنزیہ کہا ۔

ارے چھوڑو ۔ اتنی زیادہ شوہر پرستی اچھی نہیں ہوتی ۔

زوبی بالکل سنجیدہ تھی ۔

یہ شوہر پرستی نہیں باجی ! شوہر کا بیوی پر حق ہے ۔

تو تم ان سے پوچھے بغیر نہیں جاؤ گی ۔

اور ہوں

اور اگر انہوں نے اجازت نہ دی ؟

تو پھر نہیں جاؤں گی ۔

اچھا پھر میں چلی ۔ اور جواب کا انتظار کیے بغیر وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی ۔ زوبی وہیں بیٹھی رہی ۔

تھوڑی دیر بعد نسیم بھی آفس سے لوٹ آیا ۔ زوبی اٹھ کھڑی ہوئی ۔ اسے لے کر ساتھ والے کمرہ میں چلی گئی ۔ خود اپنے ہاتھوں سے اس کے بوٹوں کے تسمے کھولے پھر اس کا لباس تبدیل کرانے لگی ۔ تھوڑی دیر بعد نومی بھی وہیں آگئی اور تینوں مل کر چائے پینے لگے ۔

۹

انیلا جو خود آزاد خیالی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔ زوبی کو بھی اپنے جیسا
کے لیے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔ لیکن زوبی جو نیم کو اپنی جان سے بھی عز
سمجھتی تھی اس کی باتوں میں نہ آئی اس طرح ایک سال گزر گیا اور زوبی کے ہاں ایک
خوبصورت اور بے حد پیاری بچی نے جنم لیا۔ جس کا نام اس نے شازیہ رکھا۔ انیلا
اسے کلب لے جانے کی کوشش کرتی۔ کبھی شاپنگ کے بہانے باہر لے جانا چاہتی اور کبھی
لے جانا چاہتی۔ لیکن زوبی بڑی صفائی سے اس کے ہر حربے سے پہلو تہی کر جاتی۔

انیلا اور زوبی کی اس کشمکش میں تین سال اور گزر گئے۔ شازیہ اب خوب بھاگ
دوڑنے لگی تھی۔ انیلا جب بھی زوبی کے پاس آتی وہی حنوظِ نفسانی اور راگ رنگ کی
باتیں جشنِ شادمانی اور رنگ رلیوں کے تذکرے۔ لطف زندگانی اور تنعیس کی رغبت اور
اکساہٹ لیکن زوبی منزل سے آشنا اور تازہ دم مسافر کی طرح اپنی اسی ڈگر پہ چلتی رہی

لیکن انیلا بھی ہار ماننے والی نہ تھی کسی ماہر صیاد کی طرح لگاتار مستقل مزاجی سے اپنے شکار کے پیچھے لگی رہی۔

آغاز سرما کی ایک دوپہر زوبی برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی۔ شازیہ کے بال سنوار رہی تھی۔ قریب ہی ناہید بھی بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی تسکین باہر دھوپ میں محوِ مطالعہ تھے کہ انیلا ایک خاص ادا سے اپنا پرس ہلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ پہلے تسکین اور ناہید کو نہایت ہی شریفانہ انداز میں سلام کرتی ہوئی وہ زوبی کے پاس ایک خالی کرسی پر آکر جم گئی۔ جتنی دیر زوبی شازیہ کے بال سنوارتی رہی اس نے خاموشی سادھے رکھی۔ جب وہ فارغ ہو کر کنگھا صاف کرنے لگی تو وہ جھٹ سے بولی۔

انیلا۔ چلو میرے ساتھ

کہاں؟ اس نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

شہر میں آج کتنے دن سے نمائش لگی ہوئی ہے۔ تمہاری بہت سی سہیلیاں کئی بار میرے پاس آچکی ہیں کہ چلو زوبی کو ساتھ لے کر نمائش چلیں اور ساتھ ہی وہ تمہارا گھر بھی دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن میں لگاتار کئی دن انہیں ٹالتی رہی آج وہ صبح سے میرے پاس آئی بیٹھی ہیں کہ چلو زوبی کے ہاں لیکن میں نے سوچا کہ وہ یہاں آکر یونہی بوجھ بنیں گی۔ لہٰذا میں نے انہیں کہا کہ میں زوبی کو یہیں لے آتی ہوں پھر نمائش چلیں گے۔ بس اب تم کوئی بہانہ نہ بنانا۔ جلدی جلدی تیاری کرو۔

زوبی نے کچھ سوچا پھر شازیہ کو اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔

لیکن میں تو ——————

انیلا ایک دم سے اس کی بات کاٹتے ہوئے ناہید کی طرف دیکھ کر بولی۔

باجی! زوبی کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دو نا
ناہید نے بڑی مٹھاس سے کہا۔

مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بیشک چلی جائے میں تو خود اسے کئی بار کہہ چکی کہ بیشک گھوم پھر آیا کرے۔

انیلا کے چہرے سے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی بات بن گئی ہو۔ جھٹ اس نے زوبی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا

چلو اب تو اٹھو تیاری کرو۔

زوبی نے پھر بھی کچھ بے دلی کا اظہار کیا۔

لیکن انیلا اسے زبردستی کھینچ کر اندر لے گئی۔ باتوں ہی باتوں میں جلدی جلدی اس نے زوبی اور شازیہ دونوں کا لباس تبدیل کرا ڈالا۔ اور پھر دونوں کے ہاتھ پکڑ کر نائلہ کو سلام کہتی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔

انیلا، زوبی اور شازیہ کو لیے دوسری کئی سہیلیوں کے ساتھ کافی دیر تک نمائش میں اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ زوبی نے اسے واپس چلنے کے لیے بہت کہا لیکن اس نے ایک نہ مانی اور چھ سے نو تک پکچر دیکھنے کا پروگرام ہی بنا ڈالا۔ زوبی بہت فکر مند ہوئی جا رہی تھی اس نے بہتیرا انیلا سے کہا کہ وہ گھر آ کہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مگر انیلا ٹالتی رہی اور زوبی کو مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا۔

پکچر کے بعد انیلا کے ہاں کھانے کا پروگرام تھا۔ جس کی وجہ سے کافی دیر ہو گئی اور رات تقریباً دس بجے کے قریب انیلا اپنی کار میں زوبی اور شازیہ کو ان کے گھر چھوڑ گئی۔ زوبی ہچکچاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ نسیم اندر لیمپ کے پاس بچھا

کوئی تاریخی ناول پڑھ رہا تھا۔ زوبی کو دیکھ کر اس نے کسی بھی قسم کے غصے یا اضطرابی کیفیت کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ پہلے ہی کی طرح بڑی بشاشت سے پیش آیا۔ زوبی کے دل میں ارتکابِ جرم کے باعث اٹھتا ہوا ارتعاش اور اضمحلال نسیم کے انماض اور مستغنی مزاج کے سبب دور ہو گیا۔ نسیم نے کسی قسم کی پوچھ نہ کی اس طرح دو تین دن گزر گئے اور یوں یہ بات آئی گئی سی ہو کر رہ گئی۔

انیلا اس پہلے مرحلے میں کامیاب ہو کر کچھ کچھ اپنے مقصد کی حدود کو چھو چکی تھی۔ زوبی جو اس کے اخفا ارادوں سے بے خبر تھی اس کا کچھ اثر نہ لیا۔ انیلا نے چند دن کا وقفہ ڈالا اور ایک دن پھر آندھی کی طرح آئی اور شاپنگ کے لیے زوبی کو ساتھ لے کر بگولے کی طرح چلی گئی۔

تین چار گھنٹے تک مختلف انواع کی چیزیں خرید خرید کر انیلا ہر طرح سے زوبی کو اس کی کمتری اور کم مائیگی کا احساس دلاتی رہی اور جب وہ شاپنگ کی ہوئی چیزوں سے بھری کار میں بیٹھنے لگی تو ایک خاص طنزیہ اور جتن کی سی ادا کے ساتھ وہ زوبی سے پوچھنے لگی۔

کیا تم نہیں کوئی چیز خریدو گی؟

زوبی جس پر پہلے ہی اس کی باتوں سے زیادہ اس کی رئیسانہ اداؤں کے باعث اعصابی تشنگی کی حالت طاری تھی نہایت مردہ سی آواز میں کہا۔

نہیں کسی چیز کی خاص ضرورت ہی نہیں۔ گھر کے لیے اگر کوئی چیز چاہیے تو وہ خود ہی لے آتے ہیں۔ اپنی خواہش کے مطابق جواب نہ پا کر انیلا کچھ جھنجھلائی لیکن جلد ہی اس نے کچھ سوچا اور فی الفور بات کو نئے موضوع کی طرف لے جاتے ہوئے ایک اور تیر چھوڑا

ارے زوبی! ان کی آواز میں مصنوعی حیرت عیاں تھی۔

زوبی چونک سی پڑی۔ جانے کن خیالوں سے

جی

ایک بات تو تم سے پوچھنا بھول ہی گئی۔

کیا؟

بھئی میری بہت سی سہیلیاں تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہیں۔

تو لے آؤ نا۔ زوبی نے بڑے وثوق سے کہا

کیا کھلاؤ گی انہیں؟ انیلا نے مذاقاً پوچھا۔

اپنی بساط کے مطابق جو کچھ ہو سکا کھلا دوں گی۔

انیلا نے ایک دم چونک پڑنے کی اداکاری کی

ارے ہاں۔ لیکن تم انہیں بٹھاؤ گی کہاں؟

اپنے ہاں اور کہاں

ڈرائنگ روم میں کیا؟

بالکل

لیکن اس میں تو کوئی فرنیچر ہی نہیں۔ اور جو ہے وہ بھی اس قدر بوسیدہ کہ صدیوں پہلے کا دکھائی دیتا ہے۔

زوبی کچھ چھینپ سی گئی۔

تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

ہوتا کیوں نہیں۔ وہ کیا کہے گی کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی اور سسرال کی یہ حالت

میں بھی تمہاری بہن ہوں اس میں تمہاری ہی نہیں میری بھی سبکی ہے۔

اگر ایسی ہی بات ہے تو انہیں ابا جان کے ہاں بٹھا لیں گے۔ زوبی نے اس کا حل پیش کیا۔

ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ اصل میں دیکھنا تو تمہارا گھر چاہتی ہیں۔

تو پھر کیا کیا جائے زوبی نے مایوسی سے کہا۔

میرے خیال میں تو اس کا ایک ہی حل ہے بس نیا فرنیچر خرید لو

زوبی سوچنے لگی

انیلا نے پھر چمچہ کا لگایا

بھئی اگر کوئی تم روپے پیسے کی وجہ سے سوچ میں پڑ گئی ہو تو اس میں گھبرانے اور فکرمند ہونے کی کون سی بات ہے تم اپنے ابا سے روپے لے لو۔ اگر تم ان سے بھی نہ مانگنا چاہو تو مجھ سے لے لو بولو کتنے چاہیں۔

زوبی نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

نہیں نہیں میں خود انتظام کر لوں گی۔

پھر میں انہیں کب ساتھ لاؤں؟

میری طرف سے تو کل ہی آنا

کس وقت

بس پچھلے پہر آجانا

انیلا نے اطمینان اور سکون کا ایک گہرا سانس لیا پھر وہ زوبی کو ساتھ لے کر کار میں بیٹھی اور اسے اس کی حویلی کے باہر اتار کر گھر چلی گئی۔

دوسرے روز نسیم کی نوک پلک درست کر کے اسے آفس بھیجنے کے بعد زوبی سیدھی اپنے ابا کے پاس گئی اور کسی بہانے ان سے ایک بھاری رقم لینے کے بعد وہ ان کی کار میں شاپنگ کے لیے نکل گئی

دوپہر سے کچھ قبل ہی زوبی سامان سے لدی پھندی کار میں اپنے گھر داخل ہوئی کے پیچھے پیچھے کچھ مزدور بھی سامان سے بھری ہوئی دو گاڑیاں ٹھیلتے ہوئے حویلی کے باہر رک گئے۔ زوبی نے سامان اتروانا شروع کر دیا شازیہ بھی اندر سے بھاگتی ہوئی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ ناہید نے جو اسے اس قدر اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو کسی قدر اضطرار سے اس کی وجہ پوچھی۔ زوبی نے بڑی افتادگی سے کہا۔

باجی! آج انیلہ کی کچھ سہیلیاں ہمارا گھر دیکھنے آ رہی ہیں اس لیے میں یہ چیزیں خرید لائی ہوں

ناہید نے بڑے مشفقت آمیز لہجہ میں دبی دبی سی شکایت کا اظہار کیا۔

تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا میں خود گھر کی سجاوٹ اور صفائی کا انتظام کر دیتی

اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا باجی وہ آج سہ پہر کے قریب آ رہی ہیں۔

ناہید کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ کام میں لگ گئی تھوڑی ہی دیر میں ڈرائنگ روم کا پہلا فرنیچر باہر نکال دیا گیا۔ جھاڑ پھونک کے بعد فرش پر نئی دری کے اوپر ایک خوبصورت اور قیمتی قالین بچھوا دی گئی اور اس پر جب نئے آئے ہوئے صوفہ سیٹ کرسیاں اور تپائیاں رکھی گئیں تو کمرے کی حالت یکسر ہی بدل کر رہ گئی۔

حویلی کے سب دروازے اور کھڑکیوں کے پرانے پردے اتار کر ان کی جگہ نئے اور جدید طرز کے خوش رنگ پردے لٹکا دیئے گئے۔ گھر پر زوبی کے بیاہ کے دوپلنگ

پہلے ہی موجود تھے۔ ایک بڑا دوہرا پلنگ اور لے آئی تھی جن میں سے دو چھوٹے عقیل اور شازیہ کے لیے تھے اور دوسرے دو تسکین اور ناہید کے تصرف میں لائے گئے۔

ڈرائنگ روم ٹھیک کرنے کے بعد زوبی نے اپنا اور نسیم کا کمرہ ٹھیک کیا۔ نسیم کی اِدھر اُدھر بکھری ہوئی کتابیں جھاڑ پھونک کر نئی آئی ہوئی بک شیلف میں رکھ دی گئیں۔ کپڑے اس کے پہلے ہی قرینے سے الماری میں رکھے تھے اس کے علاوہ کچھ نیا فرنیچر بھی نسیم کے کمرے میں لگا دیا گیا۔ اتنی دیر تک ناہید نے باقی گھر کی خوب اچھی طرح صفائی کر دی اور یوں دوپہر تک حویلی کی وضع قطع ہی بدل کر رہ گئی۔

اِدھر اُدھر کے کاموں سے فارغ ہو کر زوبی اور ناہید نے نہا دھو کر لباس تبدیل کیے زوبی آج شوخ رنگ کی ساڑھی اور ارغوانی سے رنگ کے بلوز میں نہایت ہی پرکشش اور بے حد وجیہہ دکھائی دے رہی تھی۔ ناہید بھی آج عمدہ رنگ کی ساڑھی اور ایک قیمتی بلوز میں نکھر سی گئی تھی اور پھر اس کے بھرے بھرے سے جسم پر ساڑھی کے خوش آئند فال نے اس کی خوب روئی میں خاصہ اضافہ سا کر دیا تھا۔ تسکین اور شازیہ کے بھی لباس تبدیل کر دیئے گئے۔

کچھ دیر بعد عقیل بھی سکول سے لوٹ آیا۔ زوبی نے خود اسے نہلایا اور پھر ناہید نے اس کے بال سنوار کر اسے بھی نئے کپڑے پہنا دیئے۔

سہ پہر کے قریب انیلہ چھ سات لڑکیوں کے ساتھ دندناتی ہوئی آ دھمکی زوبی اور ناہید دونوں نے بڑی خوش طبعی سے ان کا استقبال کیا اور سب کو ڈرائنگ روم میں لے گئیں زوبی کی حسنِ انتظامی دیکھ کر انیلہ دنگ سی رہ گئی تھی اسے امید تک نہ تھی کہ وہ اس قدر کر گزرے گی مسکراتی ہوئی وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور شازیہ کو بھی اپنی گود

میں بیٹھا کر پیار کرنے لگی ایک دوسری لڑکی نے بڑے پیار سے عقیل کو اپنے پاس بیٹھ
زوبی بھی ان کے بیچ میں ہی بیٹھ گئی۔ ناہید کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد باورچی خانے
آکر طرح طرح کے کھانے پکانے میں مصروف ہو گئی۔

انیلہ کچھ دیر چپ رہ کر زوبی کی خوش نظمی کا جائزہ لیتی رہی جب اسے اس
چسکی رفع کرنے کے لیے کوئی بھی خامی نظر نہ آئی تو اس نے یونہی دوسری لڑکیوں
ساتھ اغل بغل ہانکتے ہوئے گھر میں شور و غوغا کا طوفان کھڑا کر دیا۔ زوبی کو ا
یہ بے سلیقگی اور خیلا پن ناگوار تو گزرا۔ لیکن مجبور تھی کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔

اچھا زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ نسیم بھی آفس سے لوٹ آیا۔ اس نے جب حویلی
قدم رکھا تو ڈرائنگ روم میں محشر برپا تھا نسیم آشفتگی کے عالم میں تیز تیز قدم اٹھا
اندر آیا۔ باورچی خانے کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ رکا اور ناہید کی طرف د
ہوئے پراگندہ سی آواز سے پوچھا۔

اندر شور کیسا ہے بھابی

ناہید نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چمچہ ایک طرف رکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور پ
سے پسینہ پونچھتی ہوئی نسیم کے قریب آکر بولی۔

انیلہ اور اس کی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں وہ تمہارا پوچھ رہی تھیں تم جلدی
نہا کر لباس تبدیل کر ڈالو

نسیم نے قدرے برہمی سے کہا

میں نے یہ تو نہیں کہا بھابی کہ وہ کیوں آئی ہیں لیکن بغیر کسی وجہ کے اس قد
شور کرنے کی کیا ضرورت ہے باہر سڑک پر جا کر دیکھو وہاں تک ان کی آواز جا

ناہید نے اسے پیار سے ڈانٹ دیا۔

تو پھر کیا ہوا۔ آخر ایک ہی عمر کی لڑکیاں ہیں ——— تم جاؤ اپنے کمرے
میں

نسیم نے کچھ اور کہنا چاہا لیکن اتنی دیر میں زوبی خوشی خرامی سے باہر آئی۔ نسیم اسے
نئے لباس اور انوکھی سج دھج میں فتنہ سے قیامت بنے دیکھ کر دنگ ہی تو رہ گیا۔ وہ
اس کے سراپا کا جائزہ لینے ہی میں محو تھا کہ زوبی اس سے قریب ہو کر بولی۔

آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں۔ وہ سب آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ پہلے چلیئے
جلدی سے غسل کر لیجیے۔ نسیم چپ چاپ زوبی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

زوبی دوبارہ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئی اور نسیم نہانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد
وہ پھر اس کے کمرے میں گئی اور لباس تبدیل کرا کے اپنے ساتھ ہی لے آئی اندر داخل
ہوتے وقت کمرے کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر نسیم کچھ ٹھٹھکا۔ لیکن جلد ہی اپنے آپ پر
قابو پا کر سنبھل گیا اور زوبی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

انیلہ نے اٹھ کر سب سے نسیم کا تعارف کرایا پھر وہ خود ہی ایک خالی صوفے پر
زوبی کے قریب بیٹھ گیا۔ انیلہ اور دوسری لڑکیاں یونہی اس پر بے ہنگم اور نامربوط سے
سوال کرنے لگیں۔

شام کے کھانے کے بعد انیلہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ واپس چلی گئی۔ تسکین بھی اپنے
کمرے میں جا چکے تھے۔ نسیم، زوبی، ناہید، عقیل اور شازیہ سب کچھ دیر کھانے کے کمرے
میں ہی بیٹھے رہے۔ آخر ناہید برتن سمیٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عقیل بھی اٹھ کھڑا
ہوا اور نسیم سے پڑھنے کا کہہ کر جب وہ دروازے کے قریب آیا تو شازیہ بھی لپک کر

اٹھی اور بھاگ کر عقیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔

نسیم چپ چاپ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ زوبی برابر اس کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے یوں ہی دیکھے جا رہی تھی۔ جوں جوں نسیم کے چہرے پہ سوچ و فکر کی لکیر گہری ہوتی چلی گئیں۔ زوبی کے دل میں بھی اٹھتا ہوا ان جانے اور ان دیکھے سے کا دھواں گہرا ہی گہرا ہونے لگا۔

آخر نسیم اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ زوبی بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو کے وسط میں پہنچ کر نسیم نے اچانک پلٹ کر زوبی کی طرف دیکھا اور گھمبیر سی آواز میں

زوبی! یہ گھر میں اتنا ڈھیروں سامان آج کہاں سے آیا ہے؟

زوبی نے لگا ہیں جھکا لیں

کچھ میں بازار سے لائی ہوں

روپے کہاں سے لیے تھے؟

ابا جان سے

نسیم نے اس بار ذرا ترش روی سے پوچھا۔

کیوں؟

زوبی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نگاہیں جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

نسیم نے ذرا خاموشی کے بعد مشفقانہ انداز میں کہا۔

زوبی! جس نے بیٹی دے دی اس نے اپنے پاس کیا رکھا۔ شادی کے بعد جو کا سب کچھ اپنا گھر ہوتا ہے سسرال میں اگر وہ بھوکی بھی رہتی ہے تو بھی جا کر کا لفظ زبان پر نہیں لاتی۔ شادی کے بعد عورت کو اپنے ماں باپ کے لیے بوجھ نہیں بنا

کیا تم انیلہ کی اجلی گزران دیکھ کر اس کے ساتھ ساتھ ہواؤں میں اڑنے کی کوشش کرنے لگی ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو ابھی سے واپس لوٹ آؤ۔ تم شاید میرے محدود وسائل کے باعث زیادہ دیر تک اس کا ساتھ نہ دے سکو۔

نسیم نے کچھ دیر رُک کر پھر بڑے دکھ سے کہا۔

زوبی تم سے مجھے یہ قطعاً امید نہ تھی کہ میرے لیے اس طرح کے مسائل پیدا کر کے تم ذہنی طور پر میرے لیے بوجھ بننے کی کوشش کرو گی۔

نسیم کی آواز میں کچھ ایسا درد اور التجا تھی کہ زوبی پگھل کر رہ گئی اور بے اختیار اس کی کٹورا سی آنکھوں میں آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے چھلک آئے۔ نسیم نے بھی اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ اور جونہی اس نے پیچھے ہٹ کر اس ماحول کو ختم کرنا چاہا زوبی بھاگ کر اس کے قدموں پر گر گئی اور ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اس بار معاف کر دیجیے آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی۔

نسیم نے اس کے شانے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کے آنسو پونچھ کر تسلی دینے لگا جواب میں زوبی اس سے بری طرح لپٹ کر سسکیاں لینے لگی

۱۰

انیلہ، زوبی کو اظہر کی بیوی کے روپ میں دیکھنے کے لیے بڑی تیزی کے ساتھ کامیابیوں کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ زوبی جانے کیوں اس کے ارادوں کو اب تک بھانپ نہ سکی تھی۔ بچاری نادان بنا دی گئی تھی نا۔ انیلہ اب بھی ہفتے میں ایک دو بار آ دھمکتی زوبی کے اپنے ساتھ لے جا کر یونہی بے مقصد شام تک اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ زوبی کا یہ رویہ خود پسند نہ تھا۔ لیکن انیلہ کا اس پر جانے کیا رعب تھا جو وہ اس کے سامنے بات سے انکار نہ کر سکتی تھی۔

نسیم کو زوبی کا انیلہ کے ساتھ اس قدر گہرا ربط اور میل جول ناگوار تو گزرتا تھا وہ زوبی پر براہ راست خاطر نہ بننے کے ارادہ سے ذہن میں دھوئیں کے سے اٹھتے ہوئے کو دل ہی دل میں مسوس کر رکھ دیتا اور خیالات بڑی تیزی کے ساتھ غلط روی اختیا چلے گئے۔

اسی طرح کئی ماہ بیت گئے اور زوبی، انیلہ کے ساتھ اپنی اس الجھن کو سلجھا نہ سکی۔ تاہم اس کو کچھ کچھ فکر و اندیشہ دامن گیر ضرور رہتا تھا۔ دوسری طرف نسیم کے دل میں زوبی کے رویے کے باعث بغیر دھوئیں کے آگ جل رہی تھی۔ جس کی تپش میں وہ ہر وقت کڑھتا ہی رہتا۔

ایک دن انیلہ صبح ہی صبح انڈلاتی ہوئی زوبی کے پاس آئی۔ نسیم اس وقت آفس جا چکا تھا اور زوبی اس کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ انیلہ کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپڑا رکھ پر پھینک دیا۔ انیلہ اندر آتے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ زوبی بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی انیلہ بے دم ہی کچھ اس طرح بول پڑی جیسے زوبی پر وہ سخت خفا ہو۔

ارے تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔

کیا؟ زوبی نے پریشانی سے پوچھا۔

تمہاری شازیہ کی سالگرہ قریب آ رہی ہے۔

تو پھر کیا ہوا۔ زوبی نے بے پرواہی سے کہا۔

تو تمہارے خیال میں کچھ ہوا ہی نہیں۔ کیا سالگرہ منانے کا ارادہ نہیں۔

میں تو کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ پہلے اتنے برس نہیں منائی تو اس دفعہ نہ منانے سے کوئی پہاڑ تو نہیں ٹوٹ پڑیں گے۔

پہلے کی بات چھوڑو اس دفعہ تمہیں سالگرہ کا اہتمام کرنا ہی ہوگا۔

کوئی خاص بات ہوئی کیا؟

ہاں۔ نومی سے اس کے کالج کی کئی ساتھی لڑکیاں پوچھ رہی تھیں کہ شازیہ کی سالگرہ کب ہے۔ لیکن نومی اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹال سی گئی تھی۔ مجھ سے بھی بڑے بڑے گھروں کی عورتیں ایسے ہی سوال کرتی رہتی ہیں۔ انیلہ نے ایسے ہی جھوٹ کا بہانہ کیا۔

زوبی نے بے ساختگی سے کہا۔

بس تم انہیں صاف صاف کہہ دینا کہ کوئی سالگرہ نہیں منائی جائے گی۔

میں کیوں کہہ دوں تمہیں تو اس وقت اپنی بے عزتی اور سبکی کا احساس ہوگا۔ سا
روز کئی عورتیں تحفے تحائف لے کر تمہارے گھر پہنچ جائیں گی۔ اور تم لو نہی اپنا سا
رہ جاؤ گی۔

بھئی امیہ میں تو اس معاملہ میں بالکل بے بس ہوں پہلے بھی ابا ان سے رو
کہ چکی ہوں نے تمہاری سہیلیوں کے لیے اس دن کا اہتمام کیا تھا۔ اس کی وجہ سے
دو تک نھ سے مہنگے تحفے سے۔ لیے تھے۔

[illegible]

لیکن جو مزہ سوہر اور بچوں کے درمیان روٹھنا روٹھی کی زندگی میں ہے۔ وہ
جیب باپ اور بہن بھائی کی زندگی میں کہاں؟ تو اس معاملہ میں خوش نصیب ہو۔ تم
میں تو جان بوجھ کر کسی نہ کسی بات پر تمہارے بھائی جان سے روٹھ جاتی ہوں
جب وہ مزے مزے کی باتیں کر کے مناتے ہیں تو تمہاری قسم زندگی کا مزہ آ
ہے۔

لیکن میں تو اس بار ابا جان سے روپے نہیں لوں گی۔

نہ سہی۔ تو تم خود نسیم سے مانگ لو نا۔

ان سے مانگنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

تو پھر کیا تمہارے پاس بالکل ہی روپے نہیں؟

ہیں تو سہی، ہنگامی حالات کے لیے ہم نے ایک ہزار روپیہ پس انداز کر کے

رکھا ہوا ہے میں سوچتی ہوں ——————

انیلہ نے جھٹ اس کا شانہ جھنجھوڑا

کوئی ضرورت نہیں کچھ سوچنے کی نسیم بھلا اس معاملہ میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہے بس تم
ی سے پارٹی کا انتظام کر ڈالو۔ اس میں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے بھئی جتنا تم خرچ
رو گے اس سے زیادہ تمہیں مہمانوں کی طرف سے تحائف کی صورت میں مل جائیگا۔

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی

اچھا میں چلی۔ اب سالگرہ کے روز ہی آؤں گی

زوبی چپ چاپ پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

دو دن بعد یکم تھی اس روز جب نسیم گھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں تین چار
ے بڑے پیکٹ تھے۔ جونہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ زوبی جو پہلے ہی وہاں
تھی مسکراتے ہوئے بولی۔

کیا لائے ہیں آج؟

نسیم نے کمال بشاشت سے لبوں پر دل شکن مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے کہا۔

خود ہی دیکھ لو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سارے بنڈل میز پر رکھ دیئے۔

آگے بڑھ کر کھولنے لگی۔

دو بے حد عمدہ اودے رنگ کی قیمتی ساڑھیاں تھی تیسرے پیکٹ میں شازیہ
خ رنگ کی فراک اور چوتھے میں عقیل کے کپڑے تھے قبل اس کے زوبی کچھ پوچھتی نسیم
بول پڑا۔

یک ساڑھی تمہارے لیے اور دوسری بھابی کے لیے باقی کپڑے عقیل اور شازیہ

کے ہیں۔

زوبی جو ساڑھی میز پہ پھیلا کر دیکھ رہی تھی اچانک برس پڑی۔

میں نے آپ سے پچھلے ماہ بھی کہا تھا کہ سردیاں ہیں اس لیے کوئی اچھا سا سوٹ بنوا لیجیے۔ بس انہی دو سوٹوں کو باری باری رگڑتے رہتے ہیں۔ میں نہیں پہنونگی ساڑھی۔ میرے حصے کی واپس کر آئیے اور اپنے لیے سوٹ کا کپڑا لے آئیے۔ اس ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی ہوئی ساڑھی اس کے ایک طرف جھٹک دی جو اپنی پھسلن ا میز کی چکناہٹ کے باعث پھسل کر فرش پہ پھیل گئی۔ زوبی وہیں کھڑے کھڑے بسورنے لگی۔

نسیم بے اختیار اس کی اس حرکت پہ ہنس دیا۔

پگلی میرا کیا ہے۔ کپڑے پہننے کا شوق تو عورتوں کو ——————

زوبی نے اس کی بات کاٹ کر افروختگی سے کہا۔

ہاں آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔

نسیم اور زیادہ مسکرا پڑا۔ آہستہ آہستہ وہ آگے بڑھا اور زوبی کا چہرہ اپنے د ہاتھوں میں لے کر بھرپور پیار محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

بس اتنی سی بات پہ ناراض ہو گئیں۔

مجھے نہیں پتہ۔ ابھی واپس کر کے آئیے میں نہیں پہنونگی

نسیم اس کے گال تھپتھپانے لگا۔

بھئی اگر اس قدر ہی میرا خیال ہے۔ تو جو روپے گھر پہ پڑے ہی ان سے خود ہی میرے لیے اپنی پسند کا کوئی کپڑا خرید لانا۔ بس اب تو راضی ہو جاؤ نا

زوبی مسکرا دی۔ تھوڑی دیر اپنی مخمور نگاہوں سے نسیم کی طرف دیکھا۔ پھر از خود رفتگی کے عالم میں آنکھیں موند کر اپنا سر نسیم کی چھاتی پر رکھ دیا۔ اور گورے گورے سے گداز اور سرخ و سفید بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیئے نسیم پر بھی بے خودی سی طاری ہو گئی اور وہ پیار سے اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔

سالگرہ سے پہلے ہی پہلے زوبی نے نسیم کے لیے اچھا سا سوٹ سلوا ڈالا۔ سالگرہ کے روز اس نے بڑی چاہت اور پیار سے اسے وہی سوٹ پہنایا۔ پھر اس کی کمر میں اپنا بازو لپیٹے وہ اسے جلدی آفس سے لوٹنے کی تاکید کرتی ہوئی کمرے کے دروازہ تک چھوڑنے آئی۔ نسیم خراماں خراماں آفس چلا گیا بعد میں وہ بھی جلدی جلدی تیار ہوئی اور اپنی پسند کی چیزیں خریدنے کے لیے بازار چل دی۔

اس روز نسیم آفس سے جلدی لوٹ آیا۔ حویلی میں جب وہ داخل ہوا۔ تو دنگ سا رہ گیا۔ اندر پرستان کا عالم تھا۔ بے شمار عورتیں بھڑکیلے غرارے اور شلواریں سروں سے ڈھلکے ڈھلکے سے آنچل اور دیدہ زیب ساڑھیوں کے گھنگھرو پلو ادھر ادھر لہراتی ہوئیں حویلی کو پریوں کا اکھاڑہ بنائے ہوئے تھیں۔ نسیم کچھ ٹھٹکا۔ زوبی اسے دیکھتے ہی فوراً اس کی طرف لپکی۔ نسیم نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

زوبی! یہ آج —————— ؟

زوبی نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بڑی معصومیت سے مسکرائی۔

آج ثانیہ کی سالگرہ ہے نا۔

سب مہمان عورتیں نسیم کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ لہٰذا وہ اپنے چہرے سے کسی قسم کے جذبات کا اظہار کیے بغیر زوبی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ثانیہ اسے دیکھتے ہی الو۔ الو۔

پکارتی جاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ برآمدے میں ایک طرف تسکین صاف ستھرے لباس میں کرسی پر بیٹھے تھے۔ ناہید اور عقیل دونوں ماں بیٹا سالگرہ کے انتظام میں بری طرح مصروف تھے۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شازیہ کو کیک کاٹنے کے لیے لکڑی ایک بڑے سے تخت پر لا کھڑا کیا گیا۔ تسکین، ناہید اور عقیل بھی اس کے قریب کھڑے تھے۔ زوبی نے کیک کاٹنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور اس کے پہلو سے پہلو ملائے نسیم یہ سب کچھ خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ارد گرد بے شمار عورتیں ٹھٹھ باندھے کھڑی تھیں۔

زوبی کی مدد سے شازیہ نے جب کیک کاٹا۔ تو پوری حویلی تالیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ زوبی بے حد خوش تھی۔ انیلہ بھی اپنی جگہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف تسکین ناہید اور عقیل کی مسرت بے پایاں تھی۔ نسیم بھی خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا تاہم اس مسکراہٹ کے پس منظر میں کچھ دبی دبی اور چھپی چھپی سی تلخیاں بھی بڑی بیتابی سے مچل رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد مہمان عورتیں چلی گئیں۔

ناہید عقیل کو پڑھانے لگی اور تسکین، شازیہ کو گود میں لے کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ نسیم اور زوبی اپنے کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے گہری خاموشی میں ڈوبے بیٹھے تھے۔ ناگاہ نسیم نے ہتھیلی پر جھکا ہوا اپنا سر اوپر اٹھایا اور مدھم مگر پُرسوز سی آواز میں بولا۔

زوبی!

زوبی جیسے کہیں دور سے بولی۔

جی

کیا گھر کا پہلا ماحول تمہاری طبیعت کے مطابق نہ تھا؟

ایسی تو کوئی بات نہیں۔

تو پھر تم ہر چیز کو یکسر بدلنے پر کیوں تل گئی ہو۔ کیا تم چاہتی ہو کہ حویلی کا آنگن جہاں گھر کا ہر فرد تمہارے ساتھ بیٹھ کر وقت کی تلخیوں کو بھول جاتا ہے تمہاری ہی وجہ سے غم اور دکھ کا گہوارہ بن کر رہ جائے۔ زوبی تم انیلہ کی رہنمائی میں روشنی کی جس چمک کے پیچھے بھاگ رہی ہو وہ اندھیرے کا ہی ایک حصّہ ہے۔ اور پھر شادی تو محبت کا اختتام نہیں آغاز ہے۔ جس کے لیے عورت مختلف مراحل میں سے گزرتی ہے۔ جوانی کی اٹھان کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہمسفر کے تصورات میں کھوئی رہتی ہے ذرا اور آگے بڑھ کر وہ رفاقت کی چاہت میں ڈوب جاتی ہے اور پھر شادی کے بعد شوہر کے لیے ہر قسم کے ایثار کا مظاہرہ کرتی ہوئی ہمیشہ کے لیے ماں کی مامتا میں چھپ کر دنیا کے سب غم، درد اور دکھ بھول جاتی ہے۔ اور یہی عورت کا جذبہ تسلیم و رضا ہے جو اسے قابل تعریف بنائے ہوئے ہے۔

زوبی برداشتہ خاطر سی ہو کر بولی۔

آپ تو کچھ کا کچھ سمجھنے لگے۔ اگر آپ اس وجہ سے ناراض ہو رہے ہیں۔ کہ میں نے گھر پر پڑی ہوئی رقم سالگرہ پر خرچ کر دی ہے تو میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں۔ آپ کو دے دوں گی۔ آپا جان سے اتنے ہی روپے لے کر

زوبی نے پہلی بار نسیم کے سامنے کھل کر بولنے کی جسارت کی۔

نسیم غصّے سے کھول اٹھا۔

زوبی! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں بھکاری نہیں جو سسرال سے مانگتا رہوں گا۔ انسان وہی ہے جو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر دکھائے اور بیوی وہ جو ہر دھ سکھ میں شوہر کا ساتھ دے۔ ہمیشہ دوسروں کی بات پر عمل کرنے والا انسان کبھی نہ کبھی بھٹک کر اپنی اصل راہ سے ضرور ہٹ جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں عارضی وقت کا شکار ہو کر گل و خار کی تمیز بھول جائیں اور اگر ایسا ہو گیا تو ہم دونوں اپنے آپ کو زندگی کی سب سے حقیر نیلام گاہ میں کھڑے پائیں گے۔ زندگی کا یہ رُخ شاید تمہارے لیے ناقابلِ برداشت نہ ہو۔ لیکن میرے دل پر اس رویے سے ضرور قیامت گزر جائیں گی۔

آپ تو یونہی بات کو گہرائی میں لے گئے ہیں۔ میں نے ایک دکھ سکھ میں آپ کا ساتھ نہیں دیا؟ زوبی کی آواز میں غائیت درجہ کا درد اور غم تھا۔

میں نے اس بارہ میں تم سے کوئی شکوہ تو نہیں کیا۔ میں نے تو فقط ایک مثال دی ہے۔

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ میں نے سالگرہ کا اہتمام انیلہ کے کہنے پر کیا ہے زوبی نے ڈرتے ڈرتے انیلہ کی طرف سے نسیم کے دل صاف کرنا چاہا۔

نسیم نے اپنی دہشت آمیز آنکھیں زوبی کے چہرہ پر گاڑ دیں۔

بالکل! ورنہ اس سے قبل تم نے کبھی سالگرہ کیوں نہ منائی۔

یہ تو کوئی بات ہی نہیں بس اس بار میرا جی چاہ رہا تھا اور میں نے اپنی بچی کی خوشی منا ڈالی۔ میرے خیال میں تو میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کیا آپ کے خیال میں ایسی خوشی کا اہتمام گناہ ہے۔

اگر گناہ نہیں تو ثواب بھی نہیں ہے۔ نسیم نے روکھا سا جواب دیا۔

آپ تو بے جا ضد پر جم گئے ہیں۔ آپ کو تو اس موقع پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ شاذیہ آپ کی ہی بیٹی ہے جس طرح مجھے اس سے پیار ہے آپ کو بھی ہے۔

مجھے اس سے انکار نہیں بلکہ ہو سکتا ہے میں تم سے بھی زیادہ اسے عزیز رکھتا ہوں لیکن کیا تمہارے خیال میں جن بچوں کی سالگرہ نہیں منائی جاتی وہ زندہ نہیں رہ سکتے کیوں نہیں! لیکن یہ تو فقط خوشی کا اظہار کرنے کی ایک رسم ہے۔

مگر صرف ان لوگوں کے لیے جن کے پاس روپے کی اس قدر فراوانی ہو کہ وہ اسے خرچ کرنے کے مختلف مواقع تلاش کرتے رہیں۔ غریب گھرانے اگر ایسی رسومات کو اپنائیں تو غربت انہیں ہمیشہ کے لیے موت ایسے پر ہول راستوں پہ لا کھڑی کرے۔

زوبی نے رو دینے کے انداز میں کہا۔

آپ تو مجھے اس طرح کوسنے لگے ہیں جیسے اس گھر کی غربت کی واحد میں ہی ذمہ دار ہوں۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پاؤں پٹختی ہوئی کمرہ سے باہر نکل گئی۔ نسیم اسے حیرت اور استعجاب سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ آج پہلا موقعہ تھا کہ زوبی اس کی باتوں کا برا مان کر اس طرح روٹھ گئی تھی۔ زوبی کے اس رویے سے اس کے دل کو شدید دھچکا سا لگا۔ نڈھال ہو کر اس نے اپنا سر سامنے پڑے ہوئے میز پر ٹکا دیا۔ گوناں گوں اور ٹیڑھے میڑھے خیالات اس کے ذہن میں دوڑ دوڑ کر غم اور دکھ کی دھول اڑانے لگے۔ خیالات کی اس فضائے دشت جنون سے بچنے کی خاطر اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور ذہن کو خالی کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

۱۱

زوبی شاید انیلہ کے کہنے پر روٹھا راٹھی کی زندگی پسند کرنے لگی تھی۔ کے موقع کے بعد وہ دو تین دن تک نسیم سے کچھی کھچی سی رہی اسے امید تھی اسے بڑے پیار سے انداز میں منالے گا۔ لیکن نسیم نے تو جیسے چپ سادھ لی تھی بھی وہ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر عجت میں زوبی کی انا ڈوب کر رہ گئی اور تیسرے روز شام کے کھانے کے بعد اس نے خود ہی نسیم سے مانگ کر صلح کر لی۔

حالات دن بدن نیا رخ اختیار کرنے لگے۔ زوبی کی تلون مزاجی بڑھتی ہی گئی وہ گھر میں کسی کو بتائے بغیر انیلہ کے ساتھ باہر گھومنے چلی جاتی۔ نسیم کو زوبی کے نئے اطوار قطعاً ناگوار گزرتے تاہم اس نے زوبی کو اب سمجھانا بالکل ترک کر دیا مطلب کے علاوہ اب وہ اس سے زیادہ تخریات ہی نہ کرتا تھا۔

زوبی نے شاید اسے نسیم کی کمزوری جانا۔ لہٰذا وہ نئی روشنی پر اپنے آپ کو آگے ہی بڑھاتی چلی گئی۔ نسیم آفس سے جب گھر لوٹتا تو اکثر وہ گھر پر موجود ہی نہ ہوتی صبح اس کے لیے ناشتہ بھی اب زیادہ تر ناہید ہی تیار کرتی زوبی دن چڑھے تک بے خبر سوئی رہتی۔ رات کو بھی دیر سے گھر لوٹتی اور دھم سے اپنے پلنگ پر گر جاتی۔

دن گزرتے رہے۔ جگنوؤں کے کاروان کی طرح دھیرے دھیرے صبحیں طلوع ہوتی رہیں اور شامیں سسک سسک کر دور بہت دور افق کے اس پار غروب ہوتی رہیں زوبی کے بدلتے اصول اپنی اصل جگہ کو واپس لوٹ آنے کی بجائے نسیم کی طبیعت کی سب حدود کو تجاوز کرنے لگے۔ تاہم نسیم ابھی تک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتا رہا اور کڑھتا رہا۔ زوبی کا بھی اس میں کوئی خاص دوش نہ تھا۔ بچاری سہانے مستقبل کی تلاش میں اپنی اصل راہ سے بھٹکا دی گئی تھی نا۔ پھر بھی اسے اپنے پاکیزہ کردار اور شستہ اخلاق پر ناز تھا اور اب تک وہ اپنے تقدس کی قسم تک کھا سکتی تھی۔

لیکن بُرا ہو سماج کے ان بُرے نمائندوں کا جن کے باعث اس کے حالات اچانک پلٹا کھا گئے۔

نسیم ایک روز آفس سے گھر لوٹا تو شازیہ سخت اور تیز بخار میں بھن رہی تھی ناہید اکیلی اس کے پاس پریشان سی بیٹھی تھی قریب ہی تسکین کرسی پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ عقیل ابھی شاید سکول سے واپس نہ لوٹا تھا نسیم نے اندر داخل ہوتے ہی گھبراہٹ میں بلا تفریق و تفکر ناہید سے پوچھا۔

کیا ہوا شازیہ کو بھابی؟

ناہید فکر و اندیشہ میں کہیں دور سے بولی

بخار ہو گیا ہے

کب سے! نسیم نے ہر لمحہ گھبراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

دوپہر سے کچھ پہلے ہی اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ دوپہر حالت زیادہ بگڑ گئی تو ابا جان ڈاکٹر کو بلا لائے۔ اس نے دوائی دی ہے اور چلا گیا شام تک بخار اترنا شروع ہو جائیگا۔

نسیم نے کچھ دیر تک رکے عالم میں ادھر اُدھر دیکھا پھر ناہید کی طرف معنی خیز سے دیکھتے ہوئے کسی قدر جستجو سے پوچھا۔

زوبی کہاں ہے بھابی؟

ناہید نے فوراً کچھ سوچا پھر مدہم سی آواز میں کہا۔

کہیں باہر گئی ہے۔

نسیم کی آواز میں سختی بھرنے لگی۔

کہاں

بتا کر نہیں گئی

گئی کس وقت تھی؟

یہ سوال ناہید کے لیے کچھ ٹیڑھا تھا اور وہ نسیم کے چہرے پر نگاہیں مرکوز شاید اس کے بدلتے تیور کے مطابق جواب دینا چاہتی تھی کہ اچانک نسیم بھر گھبرا بول پڑا۔

بھابی! تمہیں تمہارے تقدس کی قسم جھوٹ نہیں بولنا

ناہید کا رنگ پیلاہٹ میں بدل گیا۔

تمہارے آفس جانے کے بعد جلدی ہی چلی گئی تھی۔

شازیہ کو کیا اس کے یہاں ہوتے ہی بخار آ گیا تھا؟

کچھ کچھ تھا مگر اس کی زیادہ حالت اس کی غیر موجودگی میں بگڑی ہے۔

دیر تک نسیم شازیہ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ شام جب اپنے سیاہ پنکھ پھیلا کر بوں میں جھولنے لگی تو شازیہ کا بخار ٹوٹ گیا۔ نسیم نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے گہرا سانس لیا اور ناہید کو وہیں بیٹھنے کا کہہ کر وہ باہر نکل گیا کچھ سوچتے ہوئے یلی سے باہر آیا وہ اور سر جھکائے سڑک پر آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وجاہت کے ہاں داخل ہو رہا تھا۔ کوٹھی کے بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوتے ہی اس کی مڈبھیڑ گھر کے ملازم سے ہو گئی جو اسے دیکھتے بڑی انکساری سے بولا۔

آئیے چھوٹے صاحب

نسیم نے سوچے بغیر پوچھا۔

کون کون ہے گھر؟

نوبی بی اور بڑے صاحب ہیں۔ ملازم نے اسی انداز میں کہا۔

کیا زوبی یہاں نہیں آئی؟

ملازم کسی خیال میں ڈوب گیا۔

کیا سوچنے لگے ہو جواب کیوں نہیں دیتے۔

وہ فوراً چونک پڑا

جو آئی تھیں۔ لیکن کافی دیر ہوئی وہ تو انیلہ بی بی کے ساتھ باہر چلی گئی ہیں

نسیم جانے کیا سوچنے لگا۔

ملازم نے پھر اسے چونکا

کیا گھر میں آپ کے آنے کی اطلاع دوں

نہیں نہیں مجھے ایک ضروری کام ہے میں جا رہا ہوں

بڑی نیازی سے وہ واپس مڑا اور سر جھکائے پھر اسی طرح واپس ہو لیا

ملازم کچھ دیر اسے تشویش کی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر واپس مڑ کر

میں کھو گیا۔

شب طوالت پکڑ گئی تھی۔ اندھیرے میں سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوا

سنسان سی کیفیت طاری کرنے لگیں اور جب شبنم رو رو کر اپنے موتیوں

سے پھولوں کی پتیوں کے زلف و عارض کو بھگونے لگی تو فضاؤں کی آنکھوں میں

اور

رات اس دلگداز منظر پر قہقہے برساتی اندھیرے کی گود میں سمٹ

نسیم اب تک شازیہ کے پاس ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی ناہید

پشت سے ٹیک لگائے جانے کن تاروں باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔ عقیل بھی

سے اٹھ کر اپنے کمرے میں پڑھنے چلا گیا تھا اور تسکین اپنے کمرے میں سو

شازیہ کی حالت اب بالکل سنبھل چکی تھی اور وہ بڑی خوش روی سے نسیم

کے ساتھ چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔

اچانک نسیم نے ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بھابی! جاؤ جا کر سو جاؤ۔ شازیہ اب ٹھیک ہو گئی ہے میں اس کے پاس ہی سو رہوں

ناہید نے نامعلوم کن خیالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

زوبی آئے پھر چلی جاؤں گی

نسیم خاموش ہو گیا

کچھ زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا تھا کہ حویلی کے باہر کار رکنے کی آواز سنائی

اور پھر چند لمحوں بعد زوبی اندر داخل ہوئی۔ جونہی وہ شازیہ سے قریب ہوئی

اٹھ کر اس سے لپٹ گئی اور شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

امی! میں نہیں آپ سے بولوں گی مجھے اتنا سخت بخار ہو گیا تھا۔ آپ نے خبر

نہ لی۔ ابا اور چچی جان نہ ہوتے تو میں اب تک مر گئی ہوتی۔ زوبی نے چونک

منہ پر ہاتھ رکھا اور اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

دفعتہً کمرے میں نسیم کی سخت گیر آواز گونجی۔

زوبی! کہاں تھیں تم اس وقت تک؟

زوبی بوکھلا گئی اور کانپنے لگی۔

جی ——— جی کہیں بھی تو نہیں۔ وہ عجیب طرح سے تزلزل بیانی کا

کار ہو گئی تھی۔

آخر تم گھر سے غائب تھیں۔ کہیں تو رہی ہو؟

زوبی نے فوراً جھوٹ اور ٹیڑھی میڑھی باتوں کو اپنے بچاؤ کا آخری سہارا

کر کہا۔

نومی کے پاس تھی اس کی کچھ سہیلیاں آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیر تک ر
رکھا

نسیم بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور ایک زوردار زناٹے کا تمانچہ زوبی کے
سے گال پر رسید کرتے ہوئے زور سے چلایا۔

بدبخت! تو تم نے آوارگی کے ساتھ جھوٹ بولنا بھی شروع کر دیا۔

زوبی سسکیاں لیتی ہوئی اپنا گال سہلانے لگی۔ ناگاہ اسے جانے کیا
نسیم کے قدموں میں گر کر اس کی ٹانگوں سے لپٹتی ہوئی ہچکیاں لیتے ہوئے ا
انداز میں کہا۔

خدا کے لیے معاف کر دیجئے اب کوئی غلطی نہیں کروں گی۔

قریب ہی کھڑی ناہید نے کچھ کہنا چاہا کہ نسیم نے زوبی کو پاؤں کی ایک
ٹھوکر سے دور گراتے ہوئے کہا۔

دفع ہو جاؤ یہاں سے میں اب انیلہ کے ساتھ ساتھ تمہاری شکل دیکھ
پسند نہیں کروں گا۔

یہ سب کچھ اس قدر سرعت سے ہوا کہ قریب کھڑی ناہید اور شازیہ حا
یکسر بدلتے دیکھ کر ابھی پریشانی میں کانپ ہی رہی تھیں کہ انیلہ جو شاید با
ساری باتیں سن رہی تھی بڑی خونخواری سے اندر داخل ہوئی اور زوبی
پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے تفخر آمیز آواز میں کہا۔

چلو زوبی! تمہیں قسم ہے جو یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرو۔ تم کوئی یتیم
جوان جیسے جھکاریوں کی ہر بے جا دھونس برداشت کرتی ہو۔ تم اس کی بیوی

ہو جو اس بوسیدہ گھر میں کمرے میں بند کسی پنچھی کی طرح پڑی ہو۔ چلو اٹھو گھ
ہو۔

زوبی نے شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا کر نسیم
قدموں میں گر جانا چاہا لیکن انیلہ نے اسے کھینچ کر پیچھے ہٹا لیا۔

پاگل مت بنو چلو میرے ساتھ

اچانک شازیہ زور سے چلائی

امی

پھر بھاگ کر زوبی سے لپٹ گئی

انیلہ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں کو باہر لے جانے لگی۔ لیکن ناہید
بھاگ کر ان کا راستہ روک لیا۔ اور زوبی کا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے
ئے کہا۔

چھوڑو انیلہ! نہیں جائے گی زوبی

انیلہ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر طنزیہ کہا

ہوں! تمہارا کیا خیال ہے مار کھا کھا کر اسے مسکرانے کے لیے یہیں چھوڑ دوں؟

ناہید بھی بپھر گئی۔

تم کون ہوتی ہو ایسا کرنے والی۔ یہ زوبی کا گھر ہے معاملہ ہے تم تیسری طرف
کیوں دخل انداز ہو رہی ہو۔

انیلہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اور تم کون ہو اسے روکنے والی؟

ناہید نے زوبی کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔
میں اسے بیاہ کر لائی تھی۔
ناہید کے معقول جواب سے انیلہ خیالات میں ڈوب کر رہ گئی پھر بھی ڈھٹائی
کہا۔
ہوں! بیاہ کر لائی تھی۔ بڑا احسان کیا تھا اس پر۔ زندگی تباہ کر ڈالی ہے
بچاری کی
گھر میں شور و غل سن کر تسکین اور عقل بھی کمرے کے دروازے کے پاس
کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بس پریشانی سے انیلہ
غصّے کی حالت میں دیکھے جا رہے تھے۔ دوسری طرف زوبی کو بھی جیسے سانپ سو
گیا تھا۔ منہ سے اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بس کسی متوحش ہرنی کی طرح ٹکر
نسیم کو دیکھ رہی تھی جو پہلی بار غصّے کی حالت میں عجیب سا لگ رہا تھا۔
معاملے کو کچھ کچھ اپنی دور اس نظروں سے بھانپ کر تسکین آگے بڑھ
انیلہ کو پیار سے چمکارتے ہوئے کہا۔
کیا بات ہو گئی بیٹی۔ کیوں چھوٹی سی بات کو بڑھاتی ہو تم مجھے بتاؤ کس
ہے میں اسے سزا دوں گا۔ انیلہ فوراً ہی مسکین بن گئی۔
ان سے پوچھیے جو اس بچاری کو بری طرح پیٹ رہے تھے۔ آخر اس
ایسا سلوک کن ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں اسے؟
نسیم کو اس کی باتوں سے اور طیش آ گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ناہید کا ہا
پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا اور نفرت سے بھرپور ایک نگاہ زوبی پر ڈالتے ہوئے
سے کہا۔
جانے دو اسے بھابی! کیوں روکتی ہو تم
پھر وہ زوبی سے مخاطب ہوا
جاؤ زوبی چلی جاؤ انیلہ کے کہنے پر۔ لیکن یاد رکھنا شوہر کی ٹھکرائی عورت اتری ہوئی
پاپوش بن کر رہ جاتی ہے۔ اور زندگی کے کسی بھی موڑ پہ وہ اپنی بدبختیوں اور دل کی
ویرانیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے سکون حاصل نہیں کر سکتی۔
انیلہ، زوبی اور شازیہ کو کھینچتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔
ناہید زور سے چلائی
روک لو نسیم! روک لو آگے بڑھ کر زوبی کو
نسیم نے اس کی ڈھارس بندھانا چاہی
تم کیوں فکر مند ہو رہی ہو۔ جانے دو۔ جا کر میکے رہنے کا بھی شوق اتارے۔
لیکن ناہید اور زور سے چلانے لگی
نسیم روک لو زوبی کو۔ میں کہتی ہوں روک لو اسے اس میں خاندان کی بدنامی ہے
یم خدا کے لیے میری بات مان جاؤ۔
لیکن نسیم نے نہ خود ہی آگے بڑھ کر زوبی کو روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی
ہید کا پکڑا ہوا بازو چھوڑا اور انیلہ بغیر کسی مزاحمت کے زوبی اور شازیہ کو لے
چلی گئی۔

۱۲

زوبی کو روٹھ کر میکے گئے کئی دن بیت گئے۔ ناہید ہر روز نسیم کو کوستی رہتی۔ کہ زوبی کو جا کر لے آئے تسکین بھی کبھی پیار سے اور کبھی کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے نسیم کو زوبی سے نسیم کو زوبی کے لانے کو کہتے رہتے۔ لیکن وہ نہ جانے کیوں اتنا کٹھور اور بیداد گر بن گیا تھا کہ اِدھر اُدھر کی کہہ کر ہمیشہ ٹال جاتا۔ گھر میں زوبی کی کمی بری طرح محسوس کی جا رہی تھی۔ تسکین اور ناہید تو شانہ یہ کو دیکھنے کے لیے ترس سے گئے تھے۔ تاہم نسیم ابھی تک کسی بات میں نہ آنے پا رہا تھا۔

ہفتے کے روز شام کے کھانے کے بعد نسیم اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے والا تھا کہ تسکین نے اسے روک لیا اور بادل نخواستہ نسیم پھر ان کے سامنے بیٹھ گیا اس کے دل میں طرح طرح کے خدشات جنم لے رہے تھے نہ جانے آبا جان کون سا نو

چھیڑ بیٹھیں۔ وہ ابھی اسی الجھن میں پھنسا ہوا تھا کہ تسکین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

بیٹا! کل اتوار ہے جا کر زوبی کو لے آؤ

نسیم جلد ہی سنبھل گیا

آپ کیوں اتنے بے تاب ہو رہے ہیں ابا جان! خود گئی ہے میکے اب جب مرضی ہوگی آپ ہی بغیر کسی کے گئے اپنے گھر لوٹ آئے گی۔

ہٹ دھرمی اور ضد اچھی نہیں ہوتی نسیم! تمہارا جانا فرض ہے وجاہت کیا سوچیں گے اتنے دن ہوئے زوبی کو آئے کسی نے اس کی پروا نہ کی اور لینے ہی نہ آیا۔

ناہید نے بھی گرہ لگائی

ابا جان ٹھیک کہتے ہیں نسیم کل اتوار ہے جا کر لے آؤ زوبی کو

بھابی! میں تو جاؤں گا نہیں اسے لینے آپ نے اگر اسے رکھنا ہے تو خود جا کر لے آئیں۔

تسکین اس بات پر طیش میں آ گئے

نسیم تمہیں میرے خون کی قسم۔ زوبی کو کل جا کر ضرور لے آؤ۔

نسیم بگل کر رہ گیا گھگیائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابا جان! یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ اتنی بڑی بات کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

تسکین نے موقع دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی۔

تم جب تک زوبی کو لینے نہ گئے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

نسیم نے کچھ سوچا پھر اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

ابا جان! اگر آپ مجھے ان لوگوں کے سامنے جھکتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو فکر نہ کیجیے میں کل جاکر روبی کو لے آؤں گا۔

تسکین اور ناہید مسکرا دیئے۔

نسیم اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرے روز دس بجے کے قریب نسیم وجاہت کے ہاں داخل ہوا۔ صحن میں کھڑے ملازم سے پتہ چلا کہ وجاہت بیمار ہیں اور روبی ڈرائنگ روم میں انیلہ، اس کے دیور اظہر اور شوہر اختر کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ ڈرائنگ روم میں جانے کے بجائے نسیم سیدھا وجاہت کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ مسہری پر بے سروت سے پڑے تھے نسیم کو دیکھتے ہی بڑے تپاک اور خوش خلقی سے پیش آئے اور اپنے قریب ہی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نسیم چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ وجاہت نے خود ہی بولنے میں پہل کی۔

بیٹا! مجھے تمہاری اور روبی کی ناراضگی سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ تم اس کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ شادی ہو چکنے کے باوجود بھی وہ ابھی تک نادان ہی ہے میں نے اب اسے خوب اچھی طرح سمجھا دیا ہے اب کوئی بھی بات تمہاری طبع کے خلاف نہیں کہے گی۔ میں خود اسے چھوڑنے آتا! لیکن کئی دنوں سے بیمار پڑا ہوں کہ اٹھنے تک کا ہوش نہیں میں تو پہلے ہی دل کا مریض تھا۔ اب روبی کے روٹھ آنے پہ بخار نے بھی گھیر لیا ہے۔ میں روبی کو ہی تمہارے ہاں بھجوا دیتا لیکن اس کا یہ ایم بی بی ایس کا آخری سال ہے بچاری کو بہت محنت کرنا پڑھ رہی ہے اکثر کالج کے اوقات کے بعد بھی بڑے بڑے ڈاکٹروں کے کئے ہوئے اپریشن فلم کے ذریعے دکھاتے ہیں ویسے بھی آج کل پریکٹیکل کا زور ہے۔ آج اتوار ہونے کے باوجود بھی کالج گئی ہوئی ہے بچاری کو کھل کر نیند تک کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔

نسیم پشیمان سا ہو گیا

ہمیں تو علم ہی نہیں ہوا کہ آپ بیمار پڑے ہیں۔ علاج کرا رہے ہیں نا باقاعدگی سے؟

وجاہت کی آواز ویران ویران سی گئی۔

علاج تو کرا ہی رہا ہوں بیٹا! پر ایسی بیماری کبھی مریض کا پیچھا بھی چھوڑتی ہے؟

نسیم نے دکھ سے کہا۔

جان پیارے نہ بنئے اللہ میاں آپ کو صحت دے گا۔

اچانک انہیں نہ جانے کیا سوجی بات کا رخ بدل کر بولے۔

اُف میں بھی کیا بیٹھا گیا ہوں۔ کسی کی خیر خیریت تو تم سے پوچھی ہی نہیں۔ اچھا بتاؤ تمہارے ابا جان کیسے ہیں۔

بالکل ٹھیک ہیں۔

ناہید اور عقیل کا کیا حال ہے۔

وہ بھی دونوں خوش ہیں۔

شکر ہے خدا کا

اتنے میں ملازم اندر آیا اور نسیم کی طرف دیکھ کر کہا۔

آپ کو انیلہ بی بی بلا رہی ہیں۔

وجاہت اس کا شانا بھینچنے لگے۔

جاؤ جاؤ ہو آؤ بیٹا زوبی بھی وہیں ہے۔

نسیم اٹھ کر باہر آگیا

سلام کہتا ہوا وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اور ایک خالی صوفے پہ بیٹھ
انیلہ نے آنکھ سے زوبی کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ان چند لمحوں میں اس
نے اسے سمجھا سمجھا کر نامعلوم کیا بتا دیا تھا کہ وہ منہ سے ایک لفظ کہے بغیر
ساڑھی کا پلو درست کر کے شازیہ کو اٹھا کر باہر نکل گئی۔ نسیم نے زوبی کی اس
کا بُرا محسوس کیا لیکن چپکے سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ کمرے میں سکوت چھا گیا
جلد ہی انیلہ نے نسیم کو مخاطب کر کے توڑ ڈالا۔

کدھر بھول نکلے ہیں آج؟

انیلہ کے مخاطب کرنے کے انداز میں اس قدر طنز تھا کہ نسیم جل کر رہ گیا تاہم اس
نے صبر کا دامن تھامتے ہوئے کہا۔

زوبی کو لینے آیا ہوں

بس اتنی جلدی ہوش ٹھکانے آگئے انیلہ نے دوسرا تیر مارا

نسیم نے افروختگی سے جواب دیا۔

انیلہ! ہوش میں رہو۔ میں عورتوں سے ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ نہ عورتوں سے ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں لیکن ا
پہ ہاتھ اٹھانے کے ضرور عادی ہیں۔ اگر یہاں آکر بھی ایسی ہی باتیں کرنا تھیں تو
لینے کیوں چلے آئے۔ آخر بھابی سے دل بھر گیا نا۔ خوبصورت تو وہ بھی بہت ہے
لیکن تمہارے من میں شاید زوبی کی جگہ نہ لے سکی

نسیم کا ماتھا ٹھنکا

کیا مطلب؟

ہاں اب تم سچی بات کو سمجھنے سے قاصر ہی رہو گے۔ مطلب صاف ہے۔ ناہید
جوان بھی ہے اور حسین بھی اب تک اگر اس سے بیوی جیسے تعلقات رکھتے چلے آئے
ہو تو ڈرتے کیوں ہو۔ باقاعدہ اس سے شادی کر ڈالو نا۔ تاکہ تم لوگوں کا بوجھ ہی زوبی
پر سے اترے

الفاظ نے ابھی یہاں تک ہی انیلہ کا ساتھ دیا تھا کہ نسیم بل کھا کر اپنی جگہ سے
اٹھا اور دائیں ہاتھ کا ایک بھرپور طمانچہ انیلہ کے منہ پر مارتے ہوئے گرجا۔

ذلیل عورت! کیا جس طرح تم فاحشہ اور بدچلن ہو۔ سبھی عورتیں تمہارے خیال میں
ایسی ہیں جس عورت پہ تم کیچڑ اچھال رہی اس کے تقدس کی تو میں قسم کھا سکتا ہوں۔ اس
مخلص اور غمگسار کے دامن پہ تو فرشتے بھی نہ پڑھ سکتے ہیں۔

اختر نے اُٹھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

شرم نہیں آتی تمہیں عورت پہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔

نسیم نے جواب میں بھرپور طنز کیا

اسے تم عورت کہتے ہو۔ یہ تو عورت کے نام پہ ہی بھرپور گالی ہے۔

اختر نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا

نسیم بھی ہار ماننے والا نہ تھا۔ دو تین سخت گھونسوں سے اختر کا استقبال کیا وہ
تیورا کر فرش پر گر گیا۔ اب اظہر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں اس سے گتھ گئے لیکن
نسیم دونوں کے بس کا روگ نہ تھا۔ دونوں کو وہ کافی دیر تک الٹ پلٹ کرتا رہا اور ساتھ ہی

ساتھ اپنے جان لیوا لمحوں سے انہیں ڈھول کی طرح بجاتا بھی رہا۔

ڈرائنگ روم میں جھگڑا کرنے اور لڑنے کی آوازیں سن کر زوبی بھاگتی ہوئی اندر آئی اور نسیم کو دیکھ کر دنگ رہ گئی اس کی قمیض کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور وہ اختر اور اظہر کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ دونوں اس کے مکوں کا جواب دینے کے بجائے ڈھال کر صرف ہانپ رہے تھے۔

نسیم نے جونہی زوبی کو کمرے میں دیکھا اختر اور اظہر کو پیٹنا بند کر دیا تھا۔ اور حقارت کی ایک نگاہ اس پہ ڈالنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ نسیم کی حالت دیکھ کر بے اختیار زوبی کا جی چاہا بھاگ کر اس سے لپٹ جائے لیکن ان تینوں کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اس کے قدم جم سے گئے اور نسیم آنکھوں سے غصے کی آگ برساتا ہوا باہر نکل گیا۔

گھر میں جب وہ داخل ہوا تو تسکین اور ناہید اس کی حالت دیکھ کر چکرا سے گئے ناہید سے زیادہ دیر انتظار نہ ہو سکا فوراً ہی پوچھ لیا۔

کیا ہوا نسیم ؟

نسیم برس پڑا

آئندہ کوئی بھی اس ذلیل کو لینے نہیں جائے گا۔

آخر بات کیا ہوئی۔ ناہید نے تسلی سے پوچھا۔

ہونا کیا تھا۔ اسے لینے گیا۔ تو باتوں باتوں میں اختر اور اظہر سے جھگڑا ہو گیا اور یہ حالت لے کر واپس آ گیا ہوں

بھابی آپ یا ابا جان میں سے کوئی آئندہ ان کے ہاں نہیں جائیگا۔ نسیم نے سختی سے

تنبیہ کی

ناہید اور تسکین کی حالت ان مسافروں کی سی تھی۔ جنہیں کسی نے منزل سے بہت دور راستے ہی میں لوٹ لیا ہو۔ ان کے چہروں پر غم اور افسردہ برسنے لگا۔ اور نڈھال سے ہو کر ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے گئے نسیم لباس بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام کے وقت نسیم نے کچھ کچھ ذہن کو خالی کیا۔ اور سوچ سوچ کر بڑے سکون سے پہلی بار زوبی کو خط لکھا اور اسی وقت پوسٹ کر دیا۔ وہ رات گھر کے ہر فرد نے بڑی بے قرار حالت میں گزاری۔ تسکین کے لیے یہ غم ناقابل برداشت تھا اور وہ زیادہ ہی بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔

اگلے روز زوبی اپنے باپ کے گھر نومی کے کمرے میں ثانیہ کے بال سنوار رہی تھی۔ اور انیلہ صحن کے باغیچے میں نل پر بیٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھی کہ ڈاکیہ کسی کا خط لایا۔ انیلہ کا ماتھا ٹھنکا۔ ڈاکیہ سے اس نے خط لے لیا خط زوبی کے نام تھا۔ غور سے دیکھا پر کچھ پتہ نہ چلا کہ کس نے لکھا ہے آخر اس نے کھول کر پڑھ ڈالا نسیم کا خط تھا الفاظ بہت ہی نرم تھے اور زوبی کو حالات سنوارنے کی تنبیہ کی گئی تھی۔

انیلہ نے خط پھاڑ ڈالا اور اپنی طرف سے جلنے کیا الاؤ بلاؤ لکھی اور لفافے میں ڈال بھر کر زوبی کو تھما دیا۔ زوبی نے خط کھول کر پڑھا۔ مضمون اس قدر سخت تھا کہ غصے کے مارے اس کے ہونٹ بھینچ گئے اور ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ انیلہ نے تحمل عارفانہ سے پوچھا

کس کا خط ہے ؟

نسیم کا زوبی نے مرہم سی آواز میں کہا۔

کیا لکھتے ہیں؟

پڑھ لو۔ زوبی نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

انیلہ نے خط لے لیا اور پڑھنے کے بہانے نگاہیں اس پر جما دیں۔ زوبی اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی اور شاید نسیم کو خط لکھنے کے لیے رائٹنگ پیڈ اور لفافہ لے کر واپس لوٹ آئی انیلہ نے اسے خط واپس لوٹاتے ہوئے اپنی غیر جانبداری کا اظہار کرتے ہوئے بڑی انکساری سے کہا۔

بھئی! میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہتی جو تمہارا من چاہے لکھ ڈالو

زوبی کافی دیر تک سوچتی رہی پھر نسیم کو خط لکھنے لگی۔

انیلہ ایک رسالہ اٹھا کر پڑھنے کا بہانہ کرتی ہوئی۔ جو کچھ زوبی لکھتی پڑھتی جاتی حیران تھی کہ اس قدر سخت اور ہتک آمیز خط پڑھنے کے باوجود وہ صبر اور ضبط دامن تھام کر بڑے نرم اور خوش کن الفاظ میں جواب دے رہی تھی۔ آخر میں اس لکھا تھا گو خط میں مجھ پر عائد کردہ الزام سب جھوٹ ہیں لیکن میں حالات کو سمجھ چکی بس آپ صرف ایک بار لینے آجائیں میں بلا حیل وحجت آپ کے ساتھ اپنے گھر جاؤں گی۔

اس قدر نرم الفاظ پڑھ کر انیلہ کو زوبی پر سخت غصہ آیا لیکن جب زوبی نے خ لکھ کر لفافے میں بند کیا اور اس پر نسیم کا پتہ لکھنے لگی تو انیلہ کسی خیال سے چونک اور اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا زوبی اب میں چلتی ہوں گھر۔ شام کو ذرا آؤ پھر تمہارے پاس

زوبی نے پتہ لکھتے ہوئے کہا۔

بیٹھ جاؤ اتنی کیا جلدی ہے۔

نہیں چلتی ہوں۔ تمہارے بھائی جان آفس سے لوٹ آئے ہوں گے۔ دن بھر بیچارے فیکٹری کے ملازموں کی نگرانی کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور اس وقت اگر میں گھر رہ کر ان کا استقبال نہ کروں تو زیادہ ہی بوریت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ زوبی نے کوئی جواب نہ دیا بس خاموش رہی۔

انیلہ نے چونک پڑنے کے انداز میں پھر کہا

ارے تم نے نسیم کو خط لکھ بھی لیا۔

تو لاؤ میں جاتی دفعہ پوسٹ کرتی جاؤں گی۔

زوبی نے خط اسے تھما دیا۔

انیلہ اپنی کامیاب اداکاری پر کھل گئی اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

زوبی نے اپنی طرف سے حالات کو سنوارنے اور سلجھانے کی پوری پوری کوشش کی تھی ہاں برا ہو فتنۂ وقت اور گندی ذہنیت کے لوگوں کا۔ جنہوں نے نفرت کے بیج بوئے۔ رائی کی سنگلاخ دیواریں کھڑی کی اور دو بے گناہ اور معصوم دلوں کو بغیر کسی وجہ بدظن کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے جدا کر کے زہر کے گھونٹ پینے پر مجبور کر دیا۔

اپنے گھر پہنچ کر انیلہ نے لفافہ کھولا۔ زوبی کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پھاڑ ڈالا۔ طرف ایک دل شکن اور جگر سوز مضمون لکھا اور یوں اس نے خط میں دہکتے اور سے بھرپور انگارے بھر کے نسیم کو بھجوا دیئے۔

نسیم نے جب وہ خط پڑھا تو اس نے ایک سخت خط زوبی کو لکھ ڈالا۔ جواب میں بھی سخت اور نفرت پر اتر آئی۔ انیلہ دونوں کے مضمون تبدیل کر کے اپنی طرف سے

جانے کیا کیا لکھ کر دونوں کو پڑھاتی رہی اس طرح اس نے دونوں کے درمیان
اور الم انگیز خط و کتابت جاری رکھی حتیٰ کہ وہ وقت بھی آگیا کہ دونوں میاں بیوی ایک
سے قطعاً بدظن ہو کر رہ گئے۔ نسیم اور زوبی دونوں اپنے اپنے غم میں جل کر
ڈھیر ہو رہے تھے۔ لیکن انیلہ نے کوئی پرواہ نہ کی بس اپنی کامیابیوں پر مسکراتی
برساتی رہی اور خطوں میں دونوں کی طرف جلن، نفرت اور طنز و طرز نہ کے تیر
کر راکھ کے ان دو ڈھیروں کو اور زیادہ پراگندہ اور منتشر کرتی رہی اور وہ اپنی
کوششوں میں سو فیصدی کامیاب بھی رہی اور یہی اس کی دیرینہ آرزو تھی جو پوری
نظر آرہی تھی۔

ناہید ایک روز اندھیرے منہ اٹھی۔ صبح کی غسل سے فارغ ہو کر مصلے
زانوں بیٹھ گئی اور رو رو کر کافی دیر تک اپنے رب کے حضور دعا مانگتی رہی۔ پھر
بجھی سی اٹھی ناشتہ تیار کر کے نسیم کو آفس اور عقیل کو سکول بھیجوانے کے بعد وہ کئی
تک گہری سوچوں میں ڈوبی رہی پھر بغیر کوئی آخری فیصلہ کرنے بھی کامیاب ہو گئی تم
جگہ۔ اٹھی ہچکچاتی ہوئی اور کسی قدر ڈر سے لرزتی مرتی سی تسکین کے پاس
رکتے کہا۔

ابا جان! آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں؟

تسکین نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب میز پر رکھ دی۔

ضرور کہو بیٹی! میں تمہاری کسی بات سے بھلا کیوں خفا ہونے لگا۔

ناہید کچھ رکی

تسکین نے اس کی ہمت بندھائی

کہو بیٹی مجھکو نہیں تم نے اگر اپنی زندگی کے متعلق کوئی نیا فیصلہ کیا ہے تو بھی بے
دریغ کہہ ڈالو میں سینے پر پتھر رکھ کر بھی تمہاری ہاں میں ہاں ملا دوں گا۔

آپ غلط سمجھے ہیں ابا جان!

تو پھر

دراصل میں کہنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں نسیم سے جوری ایک دفعہ زوبی
لینے چلی جاؤں ہو سکتا ہے۔ اس کا غصہ ٹل گیا ہو اور میرے ساتھ آنے پر رضامند ہو
ائے اور اگر نسیم نے پوچھا تو ہم کہہ دیں گے زوبی خود ہی آگئی ہے۔

تسکین خوش ہو گئے۔

ضرور بیٹی ضرور میرے خیال میں تم آج ہی چلی جاؤ اور اسے سمجھا بجھا کر لے آؤ
یا اور میری بات بالو اسے لاکر گھر کی ہر چیز اس کے تصرف اور قبضہ میں دے دو۔
رے خیال میں تو خود ہی جب کاموں میں الجھے گی تو سلجھ جائے گی۔

ناہید مسرت سے کھل اٹھی

بس ٹھیک ہے ابا جان! میں ابھی تیار ہو کر جاتی ہوں۔

ناہید جب وجاہت کی کوٹھی میں داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم میں زوبی اور انیلہ
ں کر رہی تھیں ناہید بلا جھجک اندر گئی اور بڑی شائستگی سے سلام کیا۔ دونوں میں
سی نے بھی جواب نہ دیا نہ ہی بیٹھنے کو کہا ناہید بیچاری بے شرموں کی طرح ان کے
ان بیٹھ گئی۔ انیلہ نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

کیا کرنے آئی ہو بڑی بی!

ناہید نے اس کی اندھی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور زوبی کی طرف دیکھتے ہ
زوبی چلو میں تمہیں لینے آئی ہوں۔
زوبی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ انیلہ بول پڑی۔
تو کیا تم لوگوں کو ابھی تک اس کی ضرورت ہے؟
ناہید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
ارے دیدے پھاڑ پھاڑ کر میری طرف کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا تم دونوا
تک شادی نہیں کی۔
ناہید کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔
کیسی شادی۔ کن کی شادی؟
انیلہ نے بات کا رخ بدلا۔
اچھا یہ بتاؤ تمہاری عمر کیا ہوگی؟
ناہید اس کی باتوں سے بوکھلا رہی تھی۔
ارے بتاؤ شرماتی کیوں ہو۔
کوئی چھبیس برس ہوگی۔
کتنی عمر میں شادی ہوئی تھی۔
سولہ سال کی تھی۔
بس تو بات بن گئی ایک ہی بچے کی ماں تو ہو اور پھر ابھی تو تمہاری جوانی کو
کا زمانہ ہے۔ ادھر اُدھر کیوں ٹھٹکتی ہو خود ہی زوبی کی خالی جگہ پُر کر کے لیٹ
شادی کر لو۔

ناہید کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ انیلہ کی باتوں سے ذہن چکرانے
لگا کیا وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ اس پر اس قسم کی اختراع باندھی جائے گی۔ شرم اور
غیرت سے اس کا پورا بدن عرق عرق ہو گیا۔ ابھی وہ اس حالت سے سنبھلنے بھی نہ پائی تھی
کہ انیلہ پھر بکنے لگی۔

گھبرا کیوں گئی ہو۔ تم جوان ہو حسین ہو اگر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ
کو دیکھو تو خود ہی شرما جاؤ اور کب تک یوں تجرد کی سی زندگی بسر کرتی رہو گی۔ تمہیں بھی آخر ایک
جوان اور مضبوط سہارے کی ضرورت ہے اور نسیم سے بڑھ کر اور اچھا تمہیں کون سا
رفیق حیات ملے گا۔ بس تسکین صاحب سے کہہ کر اس سے شادی رچا لو۔ تمہیں بھی
رات کی پیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی اور نسیم کی زندگی کی راہیں بھی دوبارہ
سنور جائیں گی۔

ناہید کی حالت غیر ہو چکی تھی سارا بدن پسینے میں بھیگ چکا تھا اسے کچھ خبر نہ رہی
کہ انیلہ کیا کیا بک رہی ہے نڈھال سی ہو کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور صرف
کہہ سکی۔

بس کرو انیلہ بس کرو۔ میں ایسی بے حیائی کی باتیں سننے کی عادی نہیں خدا تمہیں
ہی زندگی نصیب کرے مجھ پر الزام لگا رہی ہو خدا کرے ایسے ہی حالات تمہارے
پیش آئیں۔

ناہید اتنا کہہ کر ساڑھی کا پلو سنبھالتی گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔
بیماروں کی سی حالت بنائے جب ناہید گھر آئی تو تسکین اس کی حالت دیکھ کر
لرز گئے۔ ناہید آتے ہی ان سے لپٹ گئی اور پھوٹ پڑی۔

ابا جان! زوبی اب نہیں آئے گی حالات اب بدل گئے ہیں ابا جان! زوبی اب پہلی نہیں رہی

آخر کچھ بتاؤ تو کیا ہوا۔ تسکین نے اپنا کمزور ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا۔

ناہید رو دی

ابا جان! انیلہ نے زوبی کی موجودگی میں مجھ پہ وہ وہ الزام لگائے جنہیں میں سو بھی نہیں سکتی ہوں لیکن اسے منع کرنے کے لیے زوبی ایک لفظ نہیں کہا ابا جان — ناہید کی آواز گھگھیا گئی۔ تسکین کی آنکھیں بھی نم آلود ہو گئیں۔ ناہید کچھ اس طرح ان لپٹ گئی۔ جیسے وہ بوڑھے باپ کی گود میں سمٹ کر انیلہ کے ترش الفاظ بے جا تہمت اور الزام بھول جانا چاہتی ہو۔

۱۳

جس دن نومی کا ایم بی بی ایس کا امتحان ختم ہوا اس کے اگلے روز نہ وہ اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھی نسیم حجازی کا تاریخی ناول "آخری چٹان" پڑھ رہی تھی کہ گھر کی ملازمہ جھجکتی جھجکتی سی اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ نومی نے بڑی ملائمت سے کہا۔

کیا ہے بڑی بی؟

ملازمہ کچھ کہنے کو بار بار ہونٹ ہلاتی لیکن زبان شاید اس کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔

نومی نے اس سے بے تکلفی کا اظہار کیا

ہچکچاتی کیوں ہو بڑی بی۔ کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ کیا کسی نے تمہیں کوئی تکلیف دی ہے۔

ملازمہ کچھ رکی پھر نسیم اور زوبی کے بگڑے ہوئے حالات کے متعلق سب کچھ کہ ڈالا۔

نوی نے کتاب قریب پڑی ہوئی تپائی پر پٹخ دی اور اپنی چال سے بے پناہ ناراضگی کا اظہار کرتی ہوئی وہ زوبی کے کمرے میں گئی۔ اندر وہ انیلہ کے پاس بیٹھی تھی۔ نوی کو دیکھتے ہی زوبی پر برس پڑی

زوبی۔ آج اتنے دن ہو گئے تمہیں یہاں پڑے ہوئے اپنے گھر کیوں نہیں جاتیں

زوبی حیرت زدہ سی رہ گئی۔

کیوں؟

میں نے کچھ دن پہلے جب تم سے پوچھا تھا کہ تم اتنے دن یہاں کیوں رکی ہوئی ہو تو تم نے بتایا تھا کہ تمہارے امتحان کی وجہ سے ٹھہری ہوئی ہوں۔ مجھے ملازمہ یہ بتا چکی ہے کہ تم روٹھ کر یہاں پڑی ہو مجھے تم جیسی مخلص اور غمگسار بہن سے قطعی یہ امید نہ تھی کہ تم اتنی بڑی بات اپنی چھوٹی بہن سے چھپاؤ گی۔ چلو اٹھو میں تمہارے یہ چھوڑ کر آتی ہوئی۔

زوبی بیٹھی رہی نہ ہی کوئی جواب دیا۔

چلو اٹھو نا

زوبی پر پھر سکوت طاری تھا۔

نوی کے من کو کیا سوجھی کمرے کے ایک کونے سے لکڑی کی ایک لمبی سی چھڑی اور ہوا میں لہراتے ہوئے پھر گرجی

میں کہتی ہوں اٹھ جاؤ۔ ورنہ اس چھڑی سے تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گی۔

اچانک ہی کچھ سوچ کر نوی کا دل بھر آیا اور چھڑی ایک طرف پھینک کر التجا کے انداز میں کہا۔

زوبی! تم میری بہن ہو میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتی لیکن خدا کے لیے اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ عورت باپ کے گھر آکر رہتی اس وقت اچھی لگتی ہے۔ جب وہ شوہر کی خوشنودی اور رضامندی سے آئے ورنہ اس کا اصل گھر سسرال ہے نہ کہ میکہ تم تو خوش نصیب ہو جسے اس قدر مخلص، راست باز اور محبت کرنے والا شوہر ملا ہے ورنہ آج کل زیادہ تر دولت مند گھرانوں کے لڑکے شراب اس طرح کی اور نشہ آور اور عیاش راہوں میں چل کر اپنے ساتھ پرائی بیٹی کی زندگی بھی برباد کر کے رکھ دیتے ہیں میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں جو مزہ اور سکون غریب اور مخلص شوہر کے جھونپڑے میں ہے وہ دولت مند کے شیش محلوں میں نہیں۔ جہاں مغرب کی اندھی تقلید میں ماں بہن اور بیوی اپنا اصل مقام کھو بیٹھی ہے میں نے جب بھی شادی کی کسی غریب لڑکے سے کروں گی۔ اور اس کی خدمت کر کے ثابت کر دوں گی کہ شوہر کی نگاہوں میں بلند مقام حاصل کرنے میں بیوی اپنے ہاتھوں سے بہت کچھ کر سکتی ہے۔ خدا کی قسم تمہاری جگہ اگر میں نسیم بھائی کے ساتھ ہوتی تو ان کی ہر بات برداشت کر کے سدا ان کے قدموں کی دھول بنی رہتی۔

نوی نے جب کھری کھری سنائیں تو انیلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ نوی پھر کہنے لگی۔

زوبی! ملازمہ نے مجھے بتایا ہے کہ بھائی جان ایک بار تمہیں لینے آئے تو اختر اور اظہر نے جھگڑا کر کے انہیں واپس لوٹا دیا۔ جھگڑے کے دوران ان کی قمیض بھی پھٹ گئی تھی اس کے بعد جب ناہید باجی تمہیں لینے آئیں تو انیلہ نے اس پر طرح طرح

کی اختر ابا نہ تھیں اور وہ روتی ہوئی واپس چلدیں یاد رکھو تمہارے اس رویے
بھائی جان نے اگر تنگ آکر تمہیں طلاق دے دی تو زندگی بھر پچھتاؤ گی اور زندگ
ہر موڑ پر تم اپنے آپ کو دنیا کی سب سے حقیر مخلوق تصور کروں گی۔

زوبی دفعتہً جیسے پھٹ پڑی

چپ رہو نومی وہ کسی صورت میں بھی مجھے طلاق نہیں دے سکتے۔

نومی بھی تنگ مزاجی پر اتر آئی۔

کیوں نہیں دے سکتے؟ وہ بھی آخر انسان ہیں پتھر کا بُت نہیں آفس سے جو
وہ تھکے ہارے واپس لوٹتے ہوں گے تو تمہیں گھر نہ پاکر ان کے دل پر کیا گزرتی
اور پھر اپنی بچی کی یاد اور تمہارے غیر ذمہ دارانہ رویے کا احساس انہیں مارنہ ڈ
ہوگا

زوبی وحشت میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بس کرو نومی! للہ بس کرو میں ابھی اور اسی حالت میں تمہارے ساتھ اپنے
جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں انہیں اور زیادہ پریشان نہیں کروں گی میں ان سے ا
سب غلطیوں کی معافی مانگ لوں گی۔

نومی مسکرانے لگی

نہیں تمہارا اس طرح جانا اچھا نہیں۔ چلو اٹھو پہلے لباس تبدیل کرو اور ا
بالوں کو جلدی جلدی کنگھی بھی کرلو

زوبی فوراً دوسرے کمرے میں لباس تبدیل کر آئی انیلہ اور نومی ابھی تک وہیں
تھیں انیلہ بالکل چپ تھی شاید وہ نومی کی موجودگی میں بولنے کی جرأت نہ کر رہی تھی۔ نو

نے خود زوبی کے بال درست کیے پھر اسے سنگار میز کے پاس لے جاکر اس کی نوک پلک
درست کرنے لگی۔

جب وہ اس کے سولہ سنگار اور بارہ ابھرن سے فارغ ہوئی تو پیچھے ہٹ کر بڑی
حیرت کے عالم میں اسے دیکھنے لگی پھر اسے کوئی شرارت سوجھی اور مسکرا کر کہا۔

اللہ قسم اتنی حسین اور پیاری دکھائی دے رہو کہ اگر میں مرد ہوتی تو اسی وقت تم
سے شادی کرلیتی۔ زوبی چھینپ سی گئی اور شیشے میں اپنا سراپا دیکھنے لگی۔ آج وہ اپنا
عکس دیکھ کر واقعی خود بھی شرما رہی تھی۔ وہی ملکوتی حسن جیسے ونیس کا مجسمہ وہی آفاق
سے بھٹکتی ہوئی روح یا سپیدہ سحر کا کوئی خوشگوار اور دل پذیر جھونکا۔ وہ اپنے آپ
دیکھتی ہی تو رہ گئی۔

نومی نے جلدی جلدی شازیہ کو بھی تیار کر ڈالا۔ وہ ابا سے ملنے کی خوشی میں خوب
چہک چہک کر نومی سے باتیں کر رہی تھی اچانک ڈاکیہ کوٹھی کے صحن میں داخل ہوا۔ انیلہ نے
اسے دیکھ لیا اور لپک کر آگے بڑھی۔ ڈاکیے نے اسے خط تھما دیا۔ نومی نے بھی اسے
دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ دروازے پر آکر بولی

کس کا خط ہے باجی؟

انیلہ خط کو چھپا نہ سکی لہٰذا بتانا ہی پڑا۔

زوبی کے نام ہے بھیجنے والا پتہ نہیں کون ہے۔

ذرا دکھایئے تو

نومی نے اس سے خط لے لیا اور کھول کر پڑھنے لگی۔

یکایک اس کا چہرہ ماند پڑ گیا۔ اور

رنگ پیلا ہو گیا

پھر اس نے خط زوبی کے منہ پر دے مارا۔

دھو ڈالو یہ سولہ سنگھار۔ پھاڑ دو زرق برق لباس اور نوچ ڈالو اپنی ان منفیر زلفوں کو۔ تم اب سہاگن نہیں بیوہ ہو۔ تم نے اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان مہیا کیا۔ اب بچوں کے کھلونے کی طرح جگہ جگہ لڑھکتی پھرو۔

زوبی دہشت زدہ سی ہو گئی۔

کانپتے ہاتھوں سے خط اٹھا کر پڑھنے لگی

اف! نسیم کی طرف سے طلاق نامہ تھا۔

زوبی کا دل غم کے احتراق میں پگھلنے لگا جبر کے سائے اس کا منہ چڑانے لگے دکھ اور غم نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔ ذہن دھوئیں سے بھر گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا ٹانگوں میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔ فضائیں اس کے سامنے ملگجی سی ہو کر رہ گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین گھومنے لگی ہو اور مکان کی چھت ابھی اس پر گر کر ملبہ بن جائے گی پھر یکلخت اس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور

اور وہ بڑبڑانے لگی

نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھے طلاق نہیں دے سکتے یہ طلاق میری نہیں کسی اور کی ہے۔ جنون کی حالت میں اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا طلاق نامہ پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

انیلہ سب کچھ سمجھ چکی تھی اور خاموش کھڑی۔ چہرے پہ غم نمایاں کرنے کی اداکاری کر رہی تھی۔

زوبی سودائیوں کی سی حالت میں پھر پھڑائی

میں ان کے پاس ضرور جاؤں گی۔ ضرور جاؤں گی ان کے پاس۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ان سے دور میری زندگی ادھوری ہے میں ضرور جاؤں گی اور ان کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لوں گی۔

پھر وہ لڑکھڑاتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی

نوی نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے پکڑ لیا۔

ہوش میں آؤ زوبی اب تم وہاں نہیں جا سکتیں نسیم سے تمہارا تعلق قطع ہو چکا ہے۔

زوبی اس کی ان سنی کر کے پھر باہر کو لپکی

نوی نے اسے زبردستی اندر کھینچ لیا۔

پاگل مت بنو نسیم اب تمہارے لیے نامحرم ہے تمہارا اس کی طرف اب دیکھنا بھی گناہ ہے۔

زوبی جیسے پھٹ پڑی

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ان کو کیوں نہیں دیکھ سکتی میں ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ موت کے بعد بھی میں ان کا گریبان پکڑ کر خدا کے حضور اس ظلم کے خلاف فریاد کروں گی۔

نوی نے اس کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر پیار سے تسلی دی۔

وہ تمہیں طلاق دے چکے ہیں زوبی! اب کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کرنے کی زوجیت نہیں۔

زوبی اس بار گہری مایوسی سے بڑبڑائی

کیا مجھے طلاق ہو گئی۔ کیا میں ان سے کبھی بات نہ کر سکوں گی۔ کیا میں ان سے اپنے

غلط رویہ کی معافی مانگ کر اُن کا دل بھی اپنی طرف سے صاف نہ کر سکوں گی کیا ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں۔ کیا ——— اس آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھوڑی دور تک لڑکھڑائی پھر دھم سے پلنگ پر گری اور پھ لٹر دونے لگی۔ نوجی اس کے پاس بیٹھ کر تسلی دینے لگی انیلہ بھی آگے بڑھ کر اس کے پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

نسیم اس روز بے حد اُداس تھا وہ آفس بھی نہ گیا تھا بس صبح سے جانے کن میں الجھا اپنے کمرے میں بند پڑا تھا۔ ناہید اور تسکین جب اس افسردگی کی وجہ پوچھ تو وہ ناسازی طبع کا کہہ کر ٹال جاتا۔ تاہم ناہید کو کچھ کچھ شک سا گزرنے لگا تھا۔ شام سے کچھ پہلے وہ تسکین کو ساتھ لے کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ دروازے کی طرف پشت کئے بیٹھا تھا اور سامنے میز پر زوبی کے خطوط بکھرے ہوئے تھے۔

ناہید اور تسکین کو دیکھ کر اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس کے بکھرے بکھرے سے بالوں اترے ہوئے چہرے اور ویران ویران سی آنکھوں سے بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ کسی خوف کے دباؤ تلے اس نے کانپتی سی آواز میں پوچھا۔

نسیم! کیا بات ہے آج اس قدر پریشان کیوں ہو۔

نسیم نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ بکھیر دی۔

کچھ بھی نہیں بھابی ہونا کیا ہے۔

تمہیں کسی بات کا غم ضرور ہے جیسے تم چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

نسیم نے بڑے دردانگیز الفاظ استعمال کئے۔

بھلا آپ جیسی مخلص اور محبت کرنے والی بہن اور ابا جیسے غمگسار باپ کے ہوتے ہوئے کون بدنصیب کو کون سا غم ہو سکتا ہے۔ اس کے الفاظ ناہید کی روح میں نشتر کا کام کر گئے۔ بڑے دکھ سے اس نے پھر اسے کریدا۔

نسیم! کیا بہن سے بھی اپنا غم چھپاؤ گے۔ کیا تمہیں یقین نہیں تمہیں اداس دیکھنا میرے بس کا روگ نہیں۔

نسیم کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بادل امڈ آئے اپنی جگہ سے وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے قریب ناہید اور تسکین کی طرف پشت کر کے خلاؤں میں گھورنے لگا۔

ناہید نے پھر اسے چونکا دیا۔

میرا دل زیادہ نہ جلاؤ نسیم۔ خدا کے لیے بتاؤ دو کیا بات ہوئی ہے۔

میں نے زوبی کو طلاق دے دی ہے بھابی نسیم کی مدھم سی آواز بلند ہوئی۔

ناہید نے پر زور احتجاج کیا۔

نسیم!

تسکین جیسے آسمان سے گر پڑے ہوں۔

بہت برا کیا تم نے نسیم!

نسیم نے میز پر بکھرے ہوئے خطوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

آپ زوبی کے ان خطوں کو پڑھیے ہر خط میں طلاق کا تقاضہ کیا گیا ہے اور اس کا آخری خط جو مجھے تین دن قبل ملا ہے اس میں طلاق کے لیے عدالت میں نہ کھڑا کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ میں نے شادی سکون اور آرام کے لیے کی تھی نہ کہ عدالت میں جا کر کہیں لڑنے کے لیے میں اپنا دامن اس سے ہمیشہ کے لیے چھڑا لیا ہے۔ اب اس گھر میں کبھی جھگڑا نہیں ہوگا بھابی! کبھی نہیں ہوگا۔

ناہید کا جیسے منہ سی دیا گیا ہو۔ غم کی تصویر بنی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ہاں تسکین آہ بھرتے ہوئے کراہ اٹھے "بہت بُرا ہوا نسیم! چار تنکوں سے ایک نشیمن بنایا تھا۔ سو وہ بھی غم کی آندھیوں سے بکھر کر ہواؤں میں منتشر ہو کر رہ گیا۔ اب اس گھر میں رکھا ہی کیا ہے"۔ بڑے دکھ سے وہ واپس مڑے اور اپنے کمرے میں چلے گئے ناہید نے بھی اپنے آپ کو سنبھالا اور نسیم کے دونوں شانے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ صحن میں لے آئی۔

وہ رات زوبی کے لیے سخت کٹھن تھی۔ کافی دیر سے وہ اپنے بند کمرے میں لیٹی پڑی تھی باہر بادِ نو کے ہلکے پھلکے جھونکوں کے دوش پر جھومتے ہوئے سرمئی بادل کو کبھی کبھی کے کھلتے اور بند ہوتے ہوئے دروازوں کی چڑ چڑاہٹ۔ جھومتی ہوئی درختوں کی ٹہنیاں اور پتوں کے ہلنے کی آواز اور ان میں اضافہ کرتی ہوئی اس کی سسکیاں اور سناٹی ہواؤں کا شور ماحول پر عجیب طرح کی وحشت برسا رہے تھے۔

پھر عروسِ خیال نے جب اپنا گھونگھٹ ہٹایا تو طرح طرح کے ہوے اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگے پھر کمرے میں دھند بڑھنے لگی اور اس کے سامنے ایک تصویر بننے لگی دیکھتے ہی دیکھتے نسیم اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دکھ کے سے انداز میں اسے کہا۔

بس خوش ہو گئیں نئی فضا اور نئی اندازِ زندگی میں خوب گھومو۔ جی بھر کر پورے کرو اپنے جوان ارمان اور تمنائیں۔ خوب پورا کرو اپنا ذوقِ حیات ہمتیں چمکتے اور کھنکتے سونے چاندی کے سکوں کی تلاش تھی سو وہ اب تمہیں مل ہی جائیں گے۔

اس نے غور سے اس تصویر کی طرف دیکھا جو بالکل نسیم کی تھی پھر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ——

جیسے نسیم کی آنکھوں میں آنسو اور دل میں آہیں تھیں جیسے اس کی روح زخمی ہو اور دل کا آئینہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو"

تب اس نے اپنے سر کو ایک سخت جھٹکا دیا۔

نہیں نہیں مجھے ایسی جدائی کی زندگی نہیں چاہیئے۔

تصویر نے ایک کھوکھلا سا قہقہہ بلند کیا۔

ہا ہا ہا ہا! بس اس قدر جلدی تمہاری روح سلگ اٹھی اس زندگی میں ابھی تو تم نے پوری عمر یوں گزارنا ہے۔ نہیں نہیں۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تصویر غائب ہو چکی تھی۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی زندگی شبنم سے شعلہ بن گئی ہو۔ کمرے میں عہدِ ماضی کے خوشگوار نغمات گنگنانے لگے اور اس کی روح کی تاروں پر مضراب بات گنگنا اٹھی۔

یارب رکھیں گے پنبۂ مرہم کہاں کہاں

سوزنِ دروں سے ہائے بدن داغ داغ ہے۔

اس نے دکھ سے کچھ سوچا۔ دور ذہن کے کسی تاریک کونے سے آواز گونجی۔

اب کیا رہ گیا ہے تمہاری زندگی میں تم کبھی چین نہ پاؤ گی۔ تمہاری امیدوں کے جزیرے ویران ہو چکے ہیں۔ تب اس کی آنکھوں کے خزانے بھر گئے اور آنسوؤں کے موتی گرنے لگے دوبارہ وہ بستر پر گر سی گئی اور گرم گرم آنسوؤں سے اپنا تکیہ بھگونے لگی۔

۱۴

زوبی کی طلاق کا تسکین کو کچھ ایسا سخت صدمہ پہنچا کہ وہ بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گیا۔ کئی روز تک کشمکش موت و حیات کی آماجگاہ بنے رہے۔ پھر ایک روز ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے منہ موڑ کر منوں مٹی تلے دفن ہو کر رہ گئے۔ زوبی کو جب ان کی موت کا علم ہوا تو اس کے غم میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا گو اسے طلاق ہو چکی تھی پھر بھی تسکین کو وہ اپنے باپ کی طرح چاہتی تھی۔ سکون قلب کی خاطر یا یونہی بوجہ عقیدت وہ ہر روز ان کی قبر پر جا کر پھول چڑھا کر آتی۔

اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کی تقدیر سو گئی ہو اور زندگی کے تار ڈھیلے پڑ گئے ہوں۔ کئی روز تک وہ بستر پر پڑی رہی۔ نہا کر اس کے لیے سکنگ سکنگ کر گزرنے لگے۔ پھر کھڑکی کی راہ سے صدیوں کی تھکی ہاری اور دل کا آنگن اجڑی نگری سونا دیس ہو کر رہ گیا۔ ظاہر ہے اس کی ماں ہونے کے ناطے اس کا بس رہتا اس کے زخم میں سے نسیم کے ساتھ محبت کے فروزاں عہد و پیماں سازِ دل پر نغمہ سرا ہو جاتے مگر قسمت کی سیاہ شام کا کسی سے شکوہ بھی تو عبث تھا۔ حسرتِ ناکام اور آلامِ زندگی تو اس نے خود اپنے لیے مہیا کیے تھے۔

دوسری طرف انیلہ نے ایک اور رخ اختیار کیا۔ اس نے ایک نئی افواہ اڑا دی کہ نسیم اور ناہید کے آپس میں ناجائز تعلقات ہیں اور دونوں میاں بیوی کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اختر اور اظہر چونکہ نسیم کے ہاتھوں پٹ چکے تھے لہٰذا انہوں نے انتقامی کارروائی کے طور پر نسیم کے محلے کے ہر فرد کے سامنے اس جھوٹی افواہ کی خوب تشہیر کی۔ بات طول پکڑتے پکڑتے ہر فرد کی زبان پر آنے لگی۔ نسیم اور ناہید کے کانوں میں بھی بھنک پہنچ گئی۔ نسیم ایسی باتیں سینے پہ پتھر رکھ کے سنتا اور ناہید بچاری اب شرم و حیا کے باعث نسیم کا زیادہ تر سامنا ہی نہ کر پاتی تھی۔

زوبی کی طلاق، تسکین کی موت، اور ناہید سے منسوب انیلہ کی چھوٹی تہمتوں نے نسیم کے دل پر غم کے گہرے اثرات چھوڑے۔ اس کے سکون نے رختِ سفر باندھ لیا اور اس کی جگہ دکھوں اور غموں نے گھر میں ڈیرے ڈال لیے تھے۔ غمِ زلیت کے ساتھ اس کشمکش میں وہ لگاتار کئی ہفتوں تک آفس نہ جا سکا جس کے نتیجہ میں اس کی نوکری چھوٹ گئی۔ کئی روز تک وہ بیکار ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ ناہید سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ جا رہی تھی ایک روز اس نے ایک دکھی ماں کے سے انداز میں اسے سمجھا کر تسلی دی۔ گھر کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے نسیم بھی سنبھل گیا اور عادل کے ساتھ موٹر ورکشاپ میں بطور مکینک کام کرنے لگا۔

نسیم ایک روز ورکشاپ سے گھر لوٹا تو معمول کے خلاف کچھ زیادہ ہی تھکا تھکا سا تھا۔

ناہید نے بڑے پیار سے اسے چائے بنا کر دی اور جب وہ اُس کے پاس سے جانے لگی تو نسیم نے آواز دی

بھابی!

ناہید پھر واپس مڑی

کیا بات ہے۔

بھابی میں ——— نسیم اٹک گیا

کہو رک کیوں گئے۔

بھابی! میں آج شازیہ کو لانے چلا ہوں۔

ناہید نے کچھ دیر کے تفکر کے بعد کہا۔

ضرور لے آؤ۔ لیکن کسی سے جھگڑا نہیں کرنا۔

میں کسی سے جھگڑا کیوں کرنے لگا بھابھی!

اور اگر اُنہوں نے شازیہ کو نہ آنے دیا پھر

وہاں مجھے منع کرنے والا کون ہوگا۔

ہو سکتا ہے اختر اور اظہر وہیں ہوں

وہ میرے سامنے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

ناہید پریشان ہوگئی۔

پھر وہی لڑائی جھگڑے والی بات ہوئی نا

تم جھگڑے سے اس قدر ڈرتی کیوں ہو بھابی کیا ان کے خوف سے میں نا

کو لانے کا ارادہ ہی ترک کر دوں۔

یہ بات نہیں نسیم سوچتی ہوں اس گھر کا تم واحد اور آخری سہارا ہو۔ جس کی موجودگی میں میں اور عقیل دونوں ماں بیٹا دنیا کے کسی خوف کی پرواہ نہیں کرتے لیکن خدا نہ کرے اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ہم دنیا کے آخری کونے تک در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے موت کو زیادہ ترجیح دیں گے۔

نسیم بھی کچھ اُداس ہو گیا

ایسی مایوسی کی باتیں نہ سوچا کرو بھابی۔ خدا ہم سب کا نگہبان ہے اور پھر تم میری ماں ہو بہن ہو میرا سب کچھ ہو۔ کیا ایک بیٹا اپنی ماں کو غمگین اور اُداس دیکھ سکتا ہے کیا ایک بھائی اپنی بہن کی آنکھوں میں غم اور دکھ کے آنسو دیکھ سکتا ہے ہرگز نہیں بھابی۔ میں اپنے آخری دم تک تم دونوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھوں گا۔

ناہید کا دل گو بھر آیا تھا لیکن زبردستی مسکرا کر نسیم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

تم تو یوں ہی اس قدر جذباتی ہو گئے ہو میں نے تو ویسے ہی ایک بات کہی ہے۔

پھر وہ اس کا بازو پکڑ کر اُوپر اٹھانے لگی۔

اچھا چلو جاؤ لے آؤ شازیہ کو

نسیم نے جلدی جلدی چائے کا آخری گھونٹ بھی حلق سے نیچے اتار دیا۔

بس ابھی چلا بھابی!

پھر وہ اُٹھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بے دھڑک وجاہت کے ہاں داخل ہوا۔ صحن میں کھڑے ہو کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ [illegible] کے کمرے کی طرف

جانے کے لیے برآمدے میں داخل ہونے لگا تھا کہ خانساماں چائے کے خالی برتن اٹھائے ایک طرف سے آتی دکھائی دی۔ نسیم نے واپس مڑ کر اس سے شازیہ کا پتہ کیا نسیم کو کوٹھی میں دیکھ کر پہلے تو وہ ٹھٹکی۔ لیکن جلد ہی سنبھلتے ہوئے کہا۔

وہ کوٹھی کے اس طرف گھاس کے میدان میں زوبی اور انیلہ کے پاس کھیل رہی ہے۔

نسیم اس طرف چل دیا۔

انیلہ گھاس کے پلاٹ میں بیٹھی نٹنگ کر رہی تھی۔ قریب ہی زوبی لیٹ کر کوئی ناول پڑھ رہی تھی ذرا دور شازیہ کھیل رہی تھی۔ نسیم کو دیکھتے ہی وہ زور سے چلائی۔

امی! ابا جان آگئے۔

اس بچاری کو دونوں کے قطع تعلقات کی کیا خبر۔ بھاگ کر وہ نسیم سے لپٹ گئی۔

زوبی کے ہاتھوں سے کتاب گر پڑی اور بدحواس سی ہو کر وہ اٹھ بیٹھی۔ نسیم کو دیکھتے ہی دنیا بھر کی اداسیاں اس کے چہرے پر سمٹ گئیں اس کی پیاسی آنکھوں سے لاوا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نسیم کو ہمیشہ کے لیے اپنی پلکوں میں چھپا لینا چاہتی ہو لیکن انیلہ نے نسیم کو مخاطب کر کے اس کے خیالات کے صنم توڑ ڈالے۔

کیا کرنے آئے ہیں آپ؟

نسیم نے شازیہ کو گود میں اٹھا لیا۔

اپنی بچی کو لینے آیا ہوں

انیلہ اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔

نہیں لے جا سکتے آپ

نسیم نے بڑی بے اعتنائی سے کہا۔

منع بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

انیلہ نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

نہیں لے جا سکتے تم۔ اتارو نیچے شازیہ کو

نسیم نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا

میرے سامنے آنے کی کوشش کی تو بہت برا ہو گا۔ شازیہ میری بیٹی ہے تم کون ہوتی ہو منع کرنے والی۔

جس طرح تمہاری بیٹی ہے اس طرح زوبی کی بھی ہے۔

نسیم نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

زوبی کی بیٹی ہے تا۔ تمہاری تو نہیں؟

انیلہ شرمندہ سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور احتجاج کی نگاہوں سے زوبی کی طرف دیکھنے لگی۔

زوبی اسی طرح خاموشی سے نسیم پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ انیلہ کی اعانت میں نسیم کے خلاف اس نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ انیلہ اس کی اس حرکت پر چراغ پا ہو گئی۔ اور پھر ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ نسیم چپ شازیہ کو لے کر چلنے لگا تو وہ زور زور سے چلانے لگی۔

ابا جان! امی کو بھی ساتھ لے کے چلئے میں اکیلی نہیں جاؤں گی ابا جان اتار دیجئے مجھے کہتی ہوں میں ——— میں اکیلی نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ

نسیم نے اسے جھڑک دیا

چپ رہو شازیہ

شازیہ پھر چلا دی

خدا کے لیے ابا جان! امّی کو بھی لے چلیے۔ مجھے اُتار دیجیے میں اسے ساتھ لے کر آ ہوں۔

لیکن نسیم نے ایک نہ سنی۔ بس اسے گود میں اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کوٹھی سے باہر نکل گیا۔

زوبی کی آنکھیں ابھی تک پھٹی ہوئی تھیں اور وہ اسی سمت دیکھے جا رہی تھی جس طرف نسیم گیا تھا۔ انیلہ نے اس کی اس حالت سے بوریت محسوس کرتے ہوئے اس کا شانہ جھنجھوڑا۔ زوبی سنبھل گئی اور زور سے چلائی

انیلہ! خدا کے لیے میری بچی کو واپس لا دو میں مر جاؤں گی انیلہ! شازیہ کو واپس لے آؤ۔

انیلہ نے اس کا سر اپنی گود میں لے کر اس کی ڈھارس بندھانا چاہی لیکن زوبی کا بے جان جسم ایک طرف زمین پر گر گیا اور بے بسی سے اس نے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ اس کی حالت اس پرندے کی سی تھی جس کا آشیانہ مٹا کر اور اس کے بال و پر کاٹ کر زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو۔

نسیم نے جب شازیہ کو ناہید کے پاس لا کر نیچے اتارا تو شازیہ کو اس نے ماں کی کمی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ عقیل بھی بڑھائی چھوڑ کر بھاگا اور شازیہ سے لپٹ لپٹ گیا۔ لیکن شازیہ اسی طرح منہ بسور بسور کر امّی کو لانے کے لیے ضد کرنے لگی۔ ناہید نے اسے بہلا پھسلا کر بہلانے کے لیے لاکھ جتن کیے۔ اسے مٹھائی لا کر دی۔ گھر میں پڑے ہوئے نئے نئے کھلونے لا کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ ایک نئی سائیکل لے

کا وعدہ بھی کیا۔ نسیم نے بھی اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن شازیہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ اور لگاتار امی کو لانے کی ضد لگائے رکھی اچانک نسیم کو غصہ آ گیا اور اس کی نازک گال پر تھپڑ مارتے ہوئے خفگی سے کہا۔

تم یہ امّی "امّی" کی رٹ ختم کرو گی یا نہیں تمہیں راستے میں جو کہا تھا تمہاری امی اب یہاں نہیں آ سکتی۔

شازیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں پھر وہ زور زور سے رونے لگی

ناہید نے نسیم کو دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا۔

بچوں پر اس طرح ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا نسیم! تم ہٹ جاؤ پیچھے میں خود چپ کرا لوں گی اسے

نسیم کو جانے کیا خیال گزرا جھک کر شازیہ کے گل اور پیشانی کے پے در پے بوسے لینے لگا۔ شازیہ کا اس پر خاصہ اثر ہوا اور اس نے رونا بند کر دیا۔ ناہید نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور لوری دینے کے انداز میں اسے ادھر اُدھر ہلا کر پیار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد ناہید کے شانے پر سر رکھے شازیہ گہری نیند سو چکی تھی۔

وہ رات گھر میں کچھ صبح طرب کی سی تھی۔ شازیہ عقیل کے پاس بیٹھی ہنس ہنس کر بڑی بھولی بھالی اور پیاری پیاری باتیں کر رہی تھی اور ان کے قریب ہی کرسیوں پر بیٹھے نسیم اور ناہید کافی عرصے کے بعد پہلی بار مسکرا مسکرا کر دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دوسرے روز نسیم ورکشاپ سے لوٹا تو ناہید کچھ اُداس اُداس سی تھی۔ لیکن نسیم کو دیکھتے ہی اس نے زبردستی بشاشت بکھیر لی۔ فوراً اٹھ کر نسیم کو صاف ستھرا لباس پہننے کو دیا پھر اس کا اتارا ہوا ورکشاپ میں کام کرنے والا لباس ایک طرف رکھنے کے بعد

وہ اس کے لیے چائے لے آئی۔ چائے کی پیالی لیتے ہوئے نسیم نے تھکی سی آواز میں پوچھا

عقیل اور شازیہ کہاں ہیں بھابی

ناہید کچھ مدہم سی پڑ گئی۔

عقیل تو ابھی ابھی سکول سے آکر کھیلنے کے لیے شاید باہر نکلا ہے۔

اور شازیہ؟

ناہید نے سکوت سادھ لیا۔

بولتی کیوں نہیں بھابی!

اسے اظہر اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں نے جب اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا۔

اور شازیہ کو اٹھا کر لے گیا

نسیم کا مزاج بے حد برہم ہو گیا۔

اسے میرے گھر میں گھسنے کی کیسے جرات ہوئی۔ میں اس کا خون پی لوں گا۔ چائے کا کپ میز پر رکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

ناہید نے اس کے دونوں شانے تھام لیے

نہیں نہیں میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔ ہم میں جھگڑا کرنے کی ہمت نہیں بھابی میں اسے سبق سکھا کر آؤں گا۔ کہ کسی کی بہن کو دھکا دینا آسان نہیں شازیہ کو بھی لے کر آؤں گا۔ کوئی ضرورت نہیں نسیم جانے کی۔ تم تھکے ہوئے ہو کر آرام کرو۔

نسیم نے نہایت آہستگی سے ناہید کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے

تم فکر مند نہ ہو بھابی میں جھگڑا نہیں کروں گا میں شازیہ کو لے کر واپس آجاؤں گا احساس ہے کہ میں ایک بیوہ بہن اور یتیم بھتیجے کا آخری سہارا ہوں۔

لیکن ناہید کا اندیشہ دور نہ ہوا۔

اگر تم جانے پر بضد ہی ہو تو ٹھہرو۔ میں عقیل کو بھیج کر عادل کو بلاتی ہوں اسے ساتھ لے کر جاؤ۔

نہیں بھابی تم کوئی وہم نہ کرو۔

پھر وہ اسے ایک طرف ہٹا کر باہر نکل گیا۔

نسیم پہلے وجاہت کے ہاں گیا لیکن وہاں سے پتہ چلا کہ شازیہ زوبی کے ساتھ انیلہ کے ہاں ہے لہٰذا اس نے سیدھا ادھر کا رخ کیا۔ انیلہ کی کوٹھی میں داخل ہو کر اس نے پھولوں کی کیاریوں میں کام کرتے ہوئے مالی سے شازیہ کا پتہ کیا تو پتہ چلا کہ شازیہ زوبی اور انیلہ کے ساتھ اوپر کی منزل میں ہے۔

نسیم بے محابا دوسری منزل پر چڑھ گیا۔ مختلف کمروں میں جھانکتا ہوا۔ وہ ایک میں داخل ہوا تو اندر زوبی اور انیلہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں اور شازیہ ان کے پاس بیٹھی تھی۔ نسیم نے جونہی اندر قدم رکھا۔ شازیہ بھاگ کر زوبی کی گود میں بیٹھ گئی۔ اس بار وہ شاید نسیم کے ساتھ نہ جانا چاہتی تھی۔ نسیم نے زوبی کی گود سے جب شازیہ کو لینا چاہا تو اس کے ہاتھ زوبی کی زلفوں کو چھو گئے۔ اف! زوبی پر جیسے قیامت گزر گئی اس کے جسم میں بجلیاں سی کوند گئیں۔ نسیم کے ہاتھ کا وہی جانا پہچانا تلذذ آمیز لمس تھا اور اس کے بالوں سے آتی ہوئی وہی دھیمی دھیمی مہک تھی۔ یہ وہی تو بال تھے جن میں وہ بڑے پیارے انداز میں اپنی خوبصورت انگلیوں

سے کنگھی کیا کرتی تھی۔

نسیم جب شازیہ کے بازو پکڑ کر زوبی کے سامنے جھکا تو زوبی کے من میں جانے کیا ترنگ ہوئی نسیم کے پاؤں پڑنے کے لیے نیچے جھکی لیکن اس کے ہاتھ ابھی نسیم کے پاؤں کے قریب ہی پہنچے تھے کہ کسی خیال کے آتے ہی وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کی موٹی موٹی جھیل سی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امڈ آیا اور بڑے کرب کے انداز میں اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

انیلہ اس موقع پر اٹھ کر باہر نکل گئی شازیہ کو جب نسیم نے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا تو وہ پھر چلانے لگی۔

"ابا جان! خدا کے لیے امی کو بھی ساتھ لے چلئے پھر میں وہاں سے کبھی کہیں نہ جاؤں گا۔

شازیہ کو لے کر نسیم جب چند قدم پیچھے ہٹا تو اختر اور اظہر چہروں پر بھانت بھانت کے جذبات لیے اندر داخل ہوئے نسیم نے ان کی آمد کا کوئی اثر نہ لیا۔ خاموشی کے ساتھ شازیہ کو اٹھائے جب وہ دروازے کی طرف بڑھا تو اختر کی کڑکتی سی آواز بلند ہوئی۔

کیا لینے آئے ہو یہاں؟

نسیم نے بے خوفانہ کیا

جو کچھ اظہر آج میرے گھر لینے گیا تھا۔

اختر نے گیدڑ بھبکی دی۔

شازیہ کو ڈال دو نیچے اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔

نسیم، شازیہ کو اٹھائے جب دروازے کے قریب پہنچا تو اختر نے اس کا شانہ پکڑ کر روک لیا۔ اظہر اپنی آستین چڑھانے لگا تھا۔ احتیاطاً نسیم نے شازیہ کو نیچے اتارنا چاہا۔ شاید وہ دونوں بھائیوں کے بدلتے تیور دیکھ چکا تھا۔ لیکن شازیہ کو فرش پر کھڑا کرنے کے لیے جونہی وہ نیچے جھکا۔ اظہر نے پوری قوت سے ایک مکہ نسیم کی گردن پر جما دیا۔ شازیہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی نسیم جو اس اچانک وار کے لیے تیار نہ تھا۔ بل کھا کر فرش پر گر گیا۔ اظہر جست لگا کر آگے بڑھا اور اس کے اوپر سوار ہو گیا نسیم کی یہ حالت دیکھ کر زوبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن نسیم نے ایک سخت جھٹکے کے ساتھ پہلو بدلا اور اظہر کو اپنے نیچے دبوچ کر لگاتار تین گھونسے اس کے ناک، منہ اور گردن پر پیوست کر دیئے۔ اظہر تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ اختر بھی اس کی مدد کو آگے بھاگا لیکن نسیم بھی اپنی جگہ مستعد تھا۔ اظہر کو چھوڑ کر وہ اختر پر ٹوٹ پڑا۔

نسیم جب خونخواری سے اختر پر پل پڑا تو وہ اس کے سامنے بھیگی بلی کی طرح سکڑ گیا نسیم نے بے پناہ غصے کے عالم میں اس کا چہرہ گردن اور پیٹ اپنے مکوں کی سخت ٹھوکروں سے ٹٹول ڈالے۔ اب وہ دونوں پر بڑی بے رحمی سے دماغی طاری کرنے والے گھونسے برسا رہا تھا۔ جانے نسیم کا ان دونوں پر کچھ ایسا رعب تھا یا اس کے مکوں نے انہیں نڈھال کر دیا تھا کہ دونوں بڑی بے دلی کے ساتھ تھکے تھکے سے صرف نسیم کے گھونسوں سے بچنے ہی کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک انیلہ گھر کے دو ملازموں اور مالی کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوئی۔

خود وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور تینوں ملازم نسیم پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ دیر نسیم پانچوں کے سامنے جما رہا۔ لیکن ہائے افسوس! بُرا ہوا ونٹ کی پکڑ اور عورت کے مکر کا کہ انیلہ نے پیچھے سے نسیم کے سر پر دو، تین ڈنڈے دے مارے۔ نسیم نڈھال ہو کر رہ گیا۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا اور اب وہ مات کھاتا نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر قبل وہ پانچوں سے بازی جیتتا دکھائی دے رہا تھا۔

خاموشی سے ایک طرف کھڑی شازیہ دفعتہً ہی بھاگ کر آگے بڑھی اور زور زور سے انیلہ کے ران پیٹنے لگی۔

کیوں مارا میرے ابو کو؟ تم دھوکے باز ہو۔ فریبی۔ میں نہیں چھوڑو گی تمہیں۔ وہ بری طرح انیلہ کے کپڑے نوچنے لگی یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے باپ کے قتل میں اس کا مظلوم جذبہ بیدار ہو گیا ہو۔ اس وقت وہ غصے میں دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

انیلہ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے جھٹک دیا۔

شازیہ اب اختر، اظہر اور ملازموں کے کپڑے باری باری پیچھے کھینچ کھینچ کر زور زور سے چلائے جا رہی تھی۔

چھوڑ دو میرے ابا کو۔ خدا کے لیے انہیں مت مارو۔

جب وہاں بھی کسی نے اس کی بات نہ سنی تو وہ زوبی کی طرف بھاگی اور اس کا بازو پکڑ کر آگے کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے روہانسی آواز میں التجا کرنے لگی۔

امی دیکھئے یہ لوگ ابا کو کسی بُری طرح پیٹ رہے ہیں۔ امی! اٹھ کر انہیں بچا لیجئے اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں آپ کے ساتھ نہیں بولوں گی۔

بچا لو امی! انہیں منع کرو نہ ماریں میرے ابا کو

زوبی واقعی بے خودی اور غصے کی ملی جلی حالت میں آگے بڑھی۔ اور جب اس نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے کہنا چاہا تو اختر نے سر کے اشارے سے ملازموں کو کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے نسیم کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

شازیہ بھی باہر بھاگ کھڑی ہوئی۔ زوبی نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ شازیہ پر دیوانگی کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے زوبی کے ہاتھ پہ کاٹ کھایا۔

چھوڑ دو مجھے تم میری امی نہیں ہو میں اپنے ابا کے پاس جاؤں گی تم ڈائن ہو۔

زوبی نے پھر اسے پکڑنا چاہا۔

شازیہ نے اس کے منہ پہ تھوک دیا۔

تھوکیے تم پر۔ تم نے جان بوجھ کر میرے ابا کو پٹوایا ہے۔ اب میں تمہارے پاس نہیں رہوں گی،، زوبی حیرت سے دیکھتی رہ گئی اور شازیہ بھاگ کر باہر نکل گئی۔

اختر دروازے کی طرف مڑتا ہوا زور سے بڑبڑایا۔

ذلیل کمینہ آیا تھا ہم سے جھگڑا کرنے۔

پھر وہ کپڑے جھاڑتا ہوا۔ اظہر اور ملازموں کے ساتھ باہر نکل گیا۔

زوبی بھاگ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور نسیم کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ زمین پر بے سدھ پڑا تھا کچھ ہی دیر بعد شازیہ بھی وہاں پہنچ گئی اور نسیم سے لپٹتی ہوئی رو دی۔

ابا جان! اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں اب آپ کے پاس رہوں گی۔ میری اب کوئی امی نہیں ہے۔

نسیم نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

ہاں بیٹی! تم بہت اچھی ہو۔ تمہاری امی مر گئی ہے۔ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی۔

کھڑکی میں کھڑی زوبی دونوں کی یہ باتیں سن کر رو پڑی۔

شانزیہ پھر بولی

چلیئے آباجان! گھر چلیں

مجھ سے اٹھا نہیں جانا بیٹی۔ نسیم نے شدید کرب کا اظہار کیا۔

شانزیہ نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

میں آپ کو سہارا دیتی ہوں۔

نسیم نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے بیٹی۔ اب مجھ سے اٹھا نہیں جائے گا۔

شانزیہ تڑپ گئی

آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔

ہاں تم بھاگ کر عقیل کو بلا لاؤ۔ وہ مجھے ہسپتال لے جائے گا۔

شانزیہ بے تحاشا ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھوڑی دیر بعد وہ ناہید اور عقیل کو ساتھ لے کر پھر وہاں پہنچ گئی۔ ناہید آتے ہی اس کے پاس گر پڑی۔

یہ تم نے کیا کر لیا نسیم۔ تم تو کہتے تھے۔ میں جھگڑا نہیں کروں گا۔ شانزیہ کو لے کر واپس چلا آؤں گا۔

تقدیر میں ہی یہی لکھا تھا بھابی میرا اس میں کیا دوش۔ زمانے کے پاس ہمارے لیے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں اپنی قسمت پر کسی سے کیا گلہ کریں۔

نسیم کو تکلیف میں دیکھ کر عقیل روتا ہوا ایک طرف بھاگا۔ اور ایک ٹیکسی لے آیا۔ تینوں نے مل کر نسیم کو اندر بٹھانا چاہا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور کوئی شریف اور سلجھا ہوا انسان تھا۔ اس نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور خود نسیم کو اٹھا کر پچھلی نشست پر لا بٹھایا۔ ناہید شانزیہ اور عقیل بھی نسیم کے پاس ہی بیٹھ گئے اور ٹیکسی بڑی تیزی سے ہسپتال کی طرف ہو لی۔

کھڑکی میں کھڑی زوبی کی حالت قابل دید تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے گرا رہی تھیں اور غم سے وہ بری طرح تھرتھرا رہی تھی۔ ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی جب اس نے پیچھے ہٹنا چاہا تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں قریب تھا کہ وہ گر جاتی لیکن ایک قریبی ستون کا سہارا لے کر سنبھل گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

۱۵

نسیم کی ٹانگ ٹوٹ جانے پر زوبی کو سخت صدمہ ہوا۔ وہ ہر روز یہی سوچتی رہتی کہ کسی طرح اس کی تیمارداری کے لیے ہسپتال ہو آئے لیکن مورکھ من ذہن میں گوناں گوں اندیشوں اور وسوسوں کا ابال پیدا کر کے اس کے راستے میں سماج اور مذہب کی ناقابل عبور دیواریں کھڑی کر دیتا۔ اور وہ اپنی ناکامیوں اور ناتمام سی حسرتوں پر صرف آنسو بہا کر رہ جاتی۔ اتنا کچھ ہو چکنے کے باوجود بھی وہ نادان ابھی تک نہ سمجھ پائی تھی کہ اس کی بربادی اور دکھ کا اصل سبب انیلہ کا منافقانہ رویہ تھا۔ جبھی تو وہ انیلہ کے ساتھ گہرے مراسم رکھے ہوئے تھی۔

ایک روز اسے جانے کیا سوجھی۔ دوپہر سے کچھ قبل وہ شہر خموشاں گئی اور تسکین کی قبر پر گر کر لٹ لٹ رونے لگی۔ خوب رو چکنے کے بعد جب اس کا جی کچھ ہلکا ہوا تو کچھ سوچے بغیر ایک طرف چل دی اس کی تھکی تھکی سی چال اور لڑکھڑاتے

سے قدم صاف بتا رہے تھے کہ اسے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کدھر جا رہی ہے کچھ دیر بے خیال میں چلنے کے بعد وہ اس وقت چونکی جبکہ اس نے اپنے آپ کو ہسپتال کے احاطہ میں پایا۔ بے سدھ سی ہو کر اس نے پام کے پیڑ کا سہارا لے لیا۔ وہاں کھڑے اسے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ بیرونی گیٹ سے ناہید اور شازیہ ہسپتال میں داخل ہوئیں۔

زوبی ٹھٹک سی گئی دونوں اس سے ذرا نزدیک ہوئیں تو وہ تنے کے پیچھے چھپ گئی ناہید ایک ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکری اور دوسرے ہاتھ سے شازیہ کا بازو پکڑے ہوئے تھی دونوں ہلکے ہلکے آپس میں باتیں کرتی ہوئیں اس کے پاس سے گزر گئیں جب ذرا وہ آگے نکل گئیں تو وہ بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ گیلری میں داخل ہو کر وہ ایک موڑ مڑیں۔ چند قدم اور آگے چل کر وہ بائیں طرف ایک کمرے میں داخل ہو گئیں۔ کونے میں کھڑے ہو کر زوبی کچھ سوچتی رہی۔ پھر واپس مڑی اور اس کمرے کی پشت پر ایک کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہو گی۔ اس کی ٹانگیں اس موقع پر بری طرح لرز رہی تھیں کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے لہٰذا وہ لوہے کی جھالی میں اندر جھانکنے لگی۔

اندر ناہید سیب کاٹ کاٹ کر نسیم کے سامنے میز پر پڑی ہوئی پلیٹ میں رکھ رہی تھی اور نسیم کی گود میں بیٹھی ہوئی۔ شازیہ ایک ایک پھانک اٹھا کر بڑے پیار سے نسیم کے منہ میں ڈال رہی تھی۔ ناہید ایک سیب اٹھا کر نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک بولی۔

عادل آتا رہتا ہے تمہارے پاس نسیم!

شازیہ اس موقع پر نسیم کے منہ میں پھانک ڈال رہی تھی۔ نسیم نے اس کا ہاتھ

پکڑتے ہوئے کہا۔

نہیں بھابی! وہ پندرہ بیس دن کے لیے اپنے ماموں کے ہاں گوجرانوالہ گیا ہوا ہے۔

ناہید ابھی کچھ نہ کہہ پائی تھی کہ شازیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

چچی جان! میں ابا سے وہ بات کہہ دوں

ناہید نے کچھ سوچنے کے انداز میں پوچھا

کون سی؟

شازیہ سرہلانے لگی۔

وہی

پھر وہ نسیم سے مخاطب ہوئی

ابا جان! آپ سے ایک بات کہوں

ضرور کہو بیٹی

آبا چچی جان! احسرت پر لوگوں کے کپڑے سینے لگی ہیں۔ میں نے منع بھی کیا تھا لیکن پھر بھی ساری ساری رات کام کرتی رہتی ہیں۔ آپ غور سے انہیں دیکھئے ان کی صحت خراب ہو رہی ہے نا

نسیم نے ذرا فکر گیر نگاہوں سے پوچھا۔

کیوں بھابی۔ یہ آپ کیا کرنے لگی ہیں؟

ناہید نے بڑے دکھ سے کہا۔

میں نے جو کچھ سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے۔ تم ہسپتال میں پڑے ہو۔ خدا نہ

اگر تمہیں زیادہ عرصہ یہاں رہنا پڑا تو کیا گھر کے سب اخراجات کا مقابلہ کرنے کے لیے مجھے ابھی سے تیار نہیں ہو جانا چاہیئے؟

میرے ہوتے ہوئے ایسا نہ سوچو بھابی۔ میں مر جاؤں تو پھر جو جی میں آئے کرتے رہنا۔

ناہید نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

پاگلوں کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو کھاؤ یہ۔ اس نے کٹے ہوئے سیبوں کی پلیٹ اس کی طرف سرکا دی۔

کچھ بھی ہو بھابی میں آپ کو یہ کام نہیں کرنے دوں گا۔

جواب میں ناہید نے کچھ نہ کہا۔ بس خاموش رہی

کھڑکی میں کھڑی زوبی نے بڑے دکھ سے سوچا

اُف! میرے خدا کیا ناہید گھر کے اخراجات کے لیے اس قدر تنگ و تنازہ کرنا پڑ رہی ہے۔ لیکن اس کے ذہن نے اس کے اس گمان کا جواب بھی پیش کر دیا۔

گھر پر جتنا روپیہ تھا وہ تو تم نے سانگرہ پر اڑا دیا تھا اور ان بیچاروں کے پاس دھرا ہی گیا ہے۔

زوبی وہاں کھڑے ہو کر جانے کیا کیا کچھ سوچتی رہی کہ نسیم کی آواز نے اسے چونکا

وہ ناہید سے مخاطب ہوا تھا

عقیل سکول سے آنے والا ہو گا بھائی! آپ لوگ جائیں گھر

ناہید کھڑی ہو گئی۔ شازیہ بھی نسیم کی گود سے اٹھی پہلے اپنے نازک نازک ہونٹوں

سے نسیم کی پیشانی چومی پھر پیچھے ہٹ کر بڑے پیارے انداز میں اپنا ننھا سا ہاتھ ہ
پرے جاتے ہوئے سلام کرنے کے انداز میں کہا۔

اچھا ابا جان اخدا حافظ

نسیم اس کی اس ادا پر دھیمے سے مسکرا دیا

خدا حافظ بیٹی

زوبی دونوں باپ بیٹی میں اس قدر پیار دیکھ کر رشک کے ملے جلے جذبات
رو ہی تو دی

ناہید شازیہ کا ہاتھ پکڑے باہر نکل گئی۔

زوبی اسی طرح کھڑکی میں کھڑی ٹکٹکی باندھے نسیم کو دیکھے جا رہی تھی کہ پ
سے کسی نے اس کی ساڑھی کا پلو کھینچا۔ بدحواس ہو کر وہ پیچھے مڑی تو شازیہ
کے سامنے کھڑی تھی۔ زوبی بے تابانہ باہیں پھیلا کر اس کی طرف بڑھی۔

میری بیٹی میری بچی۔

شازیہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

بیگم صاحبہ! میں کسی کی بیٹی نہیں۔ میری امی مر چکی ہے۔

لفظ بیگم صاحبہ پر زوبی چونکی اور غصے سے شازیہ کی طرف دیکھ کر اع
کیا۔

شازیہ! مجھے پہچانو میں تمہاری امی ہوں۔ میری طرف غور سے دیکھو بیٹی
زوبی ہوں۔

شازیہ اداس ہو گئی۔

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بیگم صاحبہ! میری امی تو کافی دنوں سے مر چکی ہے۔

زوبی کا دل ڈوبنے لگا۔ شازیہ اسے ماں ماننے سے ہی انکار کر رہی تھی
اور پھر کس بھولے پن سے وہ اسے بیگم صاحبہ کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔ زوبی کے
دل پر چھریاں ہی تو چل گئیں۔

شازیہ پھر بولی۔

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے میرے ابا کا پیچھا چھوڑ
دیجیے آپ ان کی ٹانگ تو توڑوا چکی ہیں اب اور کیا انتقام ان سے لینا باقی رہ
گیا ہے؟

شازیہ کی باتوں نے زوبی کے دل میں جیسے نشتر چبھو دیئے۔ نڈھال سی
ہو کر اس نے دیوار کا سہارا لے لیا اور بڑی بے بسی سے بوجھل بوجھل سی
آنکھوں کے ساتھ شازیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

دفعتہً گیلری کی سیڑھیوں پر کھڑی ناہید نے شازیہ کو آواز دے کر پکارا

شازی بیٹی! چھوڑو۔ آؤ چلیں

شازیہ چپ چاپ واپس مڑی اور ناہید کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گئی۔

زوبی حسرت بھری نگاہوں سے انہیں نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی
پھر ایک دفعہ آخری بار کھڑکی میں سے نسیم کو بڑی عقیدت سے دیکھا اور ڈگمگاتی
ہوئی چال کے ساتھ ہسپتال سے باہر نکلنے لگی۔

دونوں جب اپنی حویلی سے قریب پہنچیں تو باہر گلی میں ہی محلے کی ایک
بڑی بی نے ناہید کو روکتے ہوئے پوچھا۔

کہاں سے آ رہی ہو ناہید؟
نسیم کے پاس ہسپتال گئی تھی۔ اس نے شازیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہو
کہا۔
جاؤ بیٹی تم اندر چلی جاؤ۔ بڑی بی نے شازیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپکا،
شازیہ چپ چاپ حویلی میں چلی گئی۔
بڑی بی پھر بولی۔
ناہید! میری مانو تو نسیم سے شادی کر لو محلے میں اب ہر وقت تم دونوں
تعلقات پر ہی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں تم دونوں کی اگر شادی ہو گئی تو کو
تم پر کیچڑ نہ اچھالے گا بلکہ سب کے منہ بند ہو جائیں گے۔
ناہید غصے میں لال بھبوکا ہو گئی۔
مجھے اگر تمہاری بزرگی کا خیال نہ ہوتا تو ایسی بات کہنے پر اسی وقت تمہارا منہ
نوچ لیتی۔ اتنی بڑی بات کہنے سے قبل کاش تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ کیا کوئی ماں اپنے
بیٹے سے بیاہ رچا سکتی ہے۔ کیا ایک بہن اپنے بھائی کو شوہر کے روپ میں دیکھنا
پسند کرتی ہے۔ میں مر جاؤں گی لیکن ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گی۔
ناہید غصے کے عالم میں اس کے سامنے سے ہٹی اور سر جھکا کے حویلی کے اند
چلی گئی۔
بڑی بی اپنا سا منہ لے کر لوٹ گئی
اس روز شام کے وقت نسیم کو کھانا کھلانے کے بعد عقیل جب ہسپتال سے لو
تو ناہید مشین پر بیٹھی کپڑے سی رہی تھی اور قریب ہی شازیہ ایک قمیض کے کاج

میں مگن تھی۔ عقیل اندر آیا اور کھانے کا ٹرے ایک طرف رکھنے کے بعد آگے بڑھ
کر مشین کا ہتھا پکڑ لیا۔
بس امی اب آپ یہ کام نہیں کیا کریں گی آپ کی صحت بگڑتی جا رہی ہے۔ چچا جا
نے کہا ہے کہ عادل۔ جی آئیں گے تو وہ انہیں ورکشاپ سے جو ان کی رقم بنتی ہے اور
ساتھ ہی کچھ ایڈوانس لانے کے لیے کہیں گے لیکن میں انہیں بھی ایسا نہیں کرنے
دوں گا امی! میں انہیں احساس دلا دوں گا کہ میں ان کا ایک مضبوط سہارا ہوں جو کسی
بھی برے وقت میں سماج اور رواج کی ضرورتوں پر پورا اتر سکتا ہے۔
کیا کرو گے تم؟ ناہید نے دکھی دل سے پوچھا۔
عقیل نے اپنی گہری خوبصورت آنکھیں خلاؤں میں گاڑ دیں۔
صبح اخبار بیچ کر سکول جایا کروں گا۔ واپسی پر بازار سے روٹی لے آیا کروں
گا اور اس کے لفافے بنا کر دوکانداروں کو بیچ آیا کروں گا۔
شازیہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی قمیض اپنے دائیں طرف ایک چارپائی پر رکھتے
ہوئے کہا۔
بھیا ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ چچی جان میں بھی ان کے ساتھ لفافے بنایا کروں گی۔
ناہید کے دل پر جانے کیا گزری عقیل کو اپنے ساتھ لپٹا کر رو دی۔ شازیہ نے
اٹھ کر اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور تسلی دینے لگی۔
عقیل جس کی عمر ابھی بمشکل دس برس کے لگ بگ ہی ہو گی اور جو چھٹے درجے کا
طالب علم تھا۔ قبل از وقت ہی بے رحم اور تلخ حالات کے تھپیڑوں کا شکار ہو کر رہ گیا
تھا میں پڑے ہوئے نسیم اور زندگی کے ساتھ جدوجہد کرتی ہوئی ناہید کے باعث

خود زندہ رہنے اور گھر کے دوسرے افراد کو زندہ رکھنے کی جستجو اس کے ذہن میں ہر وقت انگڑائیاں لینے لگی تھی۔ سکول میں جہاں کبھی کبھی وہ بات بات پہ مسکرا دیا کرتا تھا وہاں اب اس کی سنجیدگی اور اداسی کے چرچے ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بہت کم بات کرتا۔ بس اپنے ہی گھریلو حالات میں گم سم ڈوبا رہتا۔

عقیل اب باقاعدگی کے ساتھ صبح سکول جانے سے قبل اخبار بیچ کر جاتا۔ واپس پہ وہ ردی لے آتا اور لفافے بنا کر بازار بیچ آتا۔ ناہید اور زوبی بھی اس کام میں اس کی مدد کرتیں اور یوں کسی نہ کسی طرح ایک غریب گھرانے کی کاغذ کی ناؤ جیسی زندگی سماج کی اندھی رسومات کے بے پایاں سمندر کی موجوں سے ٹکرا ٹکرا آگے بڑھنے ہی لگی عقیل کے اس کردار نے گھر کے اخراجات کی طرف سے ناہید کو کسی قدر یکسوئی سی بخش دی تھی۔ لیکن ایک اور غم اس کے دل میں بڑھ بڑھ کر ناسور کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ محلے میں اب یہ بات دن بدن جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہی جا رہی تھی کہ نسیم اور ناہید کے آپس میں میاں بیوی کے سے تعلقات ہیں۔

انیلہ، اختر اور اظہر کی اس کی ذات سے باندھی ہوئی یہ اختر ناہید کے دل پہ ایک ایسی چوٹ تھی جو دن بدن جونک کی طرح اس کے دل کا خون چوسے جا رہی تھی محلے کی کئی عورتوں کے سامنے اس نے بڑے پر زور اور پاکیزہ الفاظ میں اپنی شستگی اور بے گناہی ثابت کر کے لوگوں کے دلوں کو صاف کرنا چاہا۔ لیکن اس کے آئینے کی طرح صاف دامن پر سماج کے ہاتھوں کا لگایا ہوا بدنما داغ اس کی لاکھ کوششوں سے بھی نہ دھل سکا اور موہوم دنیا نے اسے اپنے ہی غم میں ہر وقت کڑھتے رہنے پہ مجبور کر دیا۔

دن گزرنے لگے۔ اچھے نہ رہ سکے سوکھے ہی سہی تاہم زندگی کسی ڈگر پہ چل نکلی تھی۔ عقیل ایک روز سکول جا چکا تھا۔ ناہید اور شازیہ برآمدے میں بیٹھیں لفافے بنا رہی تھیں کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر کسی نے دستک دی۔ شازیہ بھاگ کر گئی دروازے کے قریب پہنچ کر ہلکے سے پوچھا۔

کون ہے؟

باہر سے کسی نے بڑے پیار سے پوچھا

کون شازیہ ہے؟

جی ہاں

میں عادل ہوں بیٹی

شازیہ نے دروازہ کھول دیا۔

آئیے چچا جان

عادل نے مسکرا کر پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

نہیں بیٹی! تم جاؤ ذرا چچی کو باہر بھیجو۔ وہ شاید نسیم کی غیر موجودگی میں اندر جانا پسند نہ کرتا تھا۔

شازیہ دروازہ کھلا چھوڑ کر پیچھے بھاگ گئی۔

عادل نے دروازہ بند کر دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا

تھوڑی دیر بعد دروازے کے پیچھے کسر پھسر ہوئی پھر ناہید کی مدھم سی آواز سنائی دی۔

اسلام علیکم بھیا!

اسلام علیکم باجی۔ جلدی میں عادل کے منہ سے نکل گیا۔

عادل رک کر پھر بولا۔

باجی! میں ذرا ماموں کے ہاں چلا گیا تھا۔ آج ہی وہاں سے لوٹا ہوں اور ورکشاپ سے نسیم کی ٹانگ ٹوٹنے کا پتہ چلا میں ابھی اس کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔ بچی بہت افسوس ہے باجی۔ کاش میں یہاں ہوتا تو ضرور اس کے ساتھ جاتا۔

پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

اور ہاں باجی۔ لیجئے گھر کے خرچ کے لیے کچھ روپے۔ یکم کو میں آپ کو کچھ اور روپے دے جاؤں گا۔ اس کے علاوہ بھی گھر کے خرچ کے لیے کسی بھی چیز کی ضرورت تو عقیل سے کہہ کر میرے ہاں سے منگوا لیا کریں۔ میں ابھی جان اور آپ کی بھابی سے کہہ دوں گا۔

ناہید اُداس ہوگئی

نہیں بھیا! گھر کے خرچ کے لیے روپے میرے پاس ہیں۔ جب ضرورت ہوا ضرور آپ سے لے لوں گی۔

باجی! ہچکچائیے نہیں۔ نسیم اگر آپ کا بھائی ہے تو میں بھی آپ کا بھائی ہوں سمجھئے کہ ایک بھائی ہسپتال چلا گیا لیکن دوسرا آپ کے ہر دکھ سکھ کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔

میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں بھیا! لیکن آپ پر پہلے ہی ایک بڑے خاندان کا بوجھ ہے۔ آپ اپنی مصیبتوں میں اور اضافہ نہ کیجئے۔

عادل نے بڑے دکھ سے کہا۔

یوں نہ کہیئے باجی! ایک عزت مند بھائی کی موجودگی میں اس کی بہن اگر حوادثِ زمانہ میں غم اور دکھ کا شکار ہو جائے تو اس بھائی کا جینا بیکار ہی نہیں حرام ہے۔

سچ کہتی ہو بھیا! میرے پاس ابھی ہیں جب ایسا کوئی وقت آیا بے دھڑک آپ سے مانگ لوں گی

عادل نے جیب میں پڑے ہوئے روپے نیم وا دروازے میں سے اندر بڑھا دیئے۔

بس میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ روپے آپ کو لینا ہوں گے۔

ناہید ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے رک سی گئی۔

باجی! بھائی کا دل نہ توڑو۔ ہاتھ آگے بڑھا کر اگر آپ نے روپے نہ لیے تو میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا رہے گا کہ میں مصیبت کے وقت نسیم جیسے غمگسار بھائی کے کسی کام نہ آسکا۔ لے لو باجی! ورنہ میں یہ آپ کے قدموں میں پھینک کر چلا جاؤں گا۔

ناہید نے ہاتھ آگے بڑھا کر روپے لے لیے

جس بہن کا آپ جیسا بھائی ہو۔ زندگی کا کوئی بھی غم اس سے جینے کی آرزو نہیں چھین سکتا۔ کاش ——— ناہید رک گئی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

عادل سمجھ گیا

ان آنسوؤں کو روک لو باجی۔ بہن کا تو اداس چہرہ ہی بھائی کے جذبات

یں تلاطم بھر پا کر دیتا ہے۔ آپ کے یہ آنسو اگر زمین پہ گرے تو شاید میں اپنے حواس کھو بیٹھوں۔

ناہید ڈھہ پٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کرنے لگی۔

اچھا باجی آپ آرام کیجیے پھر کبھی آؤں گا۔

ناہید کچھ نہ کہہ سکی۔

عادل واپس چلا گیا۔

۱۶

گلابی جاڑوں کی آمد آمد تھی۔ لہلہاتا سبزہ اور جھومتے پھول اداس اداس نظر آنے لگے اور خرام ناز سے چلتی ہوئی پروا میں سے اب خزاں کی ہلکی ہلکی شرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔ نسیم کو ہسپتال میں پڑے پڑے تین ماہ گزر گئے اس کی ٹانگ اب کچھ ٹھیک ہو گئی تھی۔ عادل بڑی باقاعدگی سے اس کی احوال پرسی کو آتا۔ ناہید روزانہ ہر روز کچھ نہ کچھ لے کر اس کے پاس آتیں۔ اور عقیل بھی بلا ناغہ سکول سے آنے کے بعد اسے دیکھ جاتا۔

زوبی کی زندگی جلتا ہوا الاؤ بن کر رہ گئی تھی۔ نومی مقامی ہسپتال میں بطور ڈاکٹر کام کرنے لگی تھی۔ ہاں انیلہ اس کے پاس چلی آتی اور تسلی دیتی رہتی۔ لیکن بے فائدہ ہیں ایسی تسلیاں۔ زوبی ہر وقت نسیم کے خیال میں الجھی رہتی وہ اب بھی اس سے

محبت کرتی تھی نا!

اس روز بھی وہ اپنے کمرے میں اداس سی پڑی تازہ اخبار پڑھ رہی تھی۔ لیکن یکایک ہی اس کے خیالات بکھر گئے اور ذہن پر بکھر کر نسیم کے متعلق سوچنے لگا۔ اس نے اخبار ایک طرف پٹخ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ خیالات کے بھ اس کے سامنے رقص کرنے لگے۔ کمرے میں خوابوں کی دھند پھیلنے لگی ماضی کے بجھ بھٹکے جذبات جگمگا اٹھے وہ دکھ سے سوچنے لگی۔

زندگی کیا ہے کیا بن گئی۔

اشکِ غم

تواتر سے برستا ہوا دکھ

آگ کی تپش

چھالوں کی جلن

غمناک یکتائی

لہلہاتی سوکھی شاخ

ساحلِ دل پر غمِ حیات کا آشوب

یا

یا پھر

ایسا راز جو کھل کر بکھر گیا تھا۔

ایسا زمزمہ جو ادھورا رہ گیا ہو

ایسی آرزو جو پوری ہونے سے قبل بے موت ہی مر گئی ہو۔

تصورات کے سائے اور پھیل گئے اور ذہن میں اٹھتے ہوئے خیالات نے اس کے دل پر اور زور سے کچوکے لگانے شروع کر دیئے۔

ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔

نسیم کے بغیر زندگی غبارِ راہ ہی تو بن کر رہ گئی ہے۔

غبارِ راہ

جو منزل کی طرف بڑھتے ہوئے کاروان کے پاؤں کی ٹھوکروں سے اٹھ کر ہمیشہ کے لیے فضاؤں کی مہیب وسعتوں میں کھو جاتا ہے۔

چونک کر اسے نے سر کو جھٹک کر ان تکلیف دہ خیالات سے چھٹکارا پانے کی خاطر آنکھیں

کھول دیں۔ خیالات نے بے شک اس کا دامن چھوڑ دیا تھا۔

سامنے کمرے کی دیوار سے آویزاں اس کی اپنی تصویر اس کا منہ چڑانے لگی۔

تم ماضی کی صداؤں کے تعاقب میں بھاگ رہی ہو

تم شامِ غم کی ہواؤں کے دوش اڑی جا رہی ہو

ٹھیک ہے

بالکل ٹھیک

تم ہو ہی اسی قابل

اور

اور نسیم؟

وہ اب بھی تمہاری آرزوؤں کا ایمان ہے۔

اس کی محبت اب بھی تمہارے دل کے نہاں خانوں میں کروٹیں بدل رہی ہے
کہو یہ جھوٹ ہے؟
نہیں نہیں
ذرا اپنے اعمال کا محاسبہ کرو
پھر بتاؤ خطا کس کی ہے؟
کون اپنی راہ سے بھٹکا؟
کس نے وفا کی راہیں مسدود کیں؟
کون تھا جو محبت کے بہتے ساگر سے نکل کر ساحل پہ چڑھ گیا؟
امیدوں کے جزیرے کس نے ویران کئے؟
مضراب حیات کس نے توڑا؟
کس کا خضرِ منزل ہمیشہ کے لیے بھٹک گیا؟
شب کی سیاہی کو کس نے آواز دی؟
گل و وفا کی تمیز کون بھول گیا
اور محبت میں غم اور دکھ کی روزن کس نے پیدا کی؟
کہو نا
خود ہی کہہ دو
لیکن نہیں
تمہارے پاس کوئی جواب بھی تو نہیں
غصے میں لال پیلی تصویر بولے گی۔

وہ ششدر سی سنتی رہی۔ بس سنتی چلی گئی۔
گھبرا کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔
لیکن
اب کمرے کی فضائیں اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔
کیا نسیم کی یاد تمہارا پیچھا چھوڑ دے گی۔
کیا تم اسے بھول سکو گی۔

اونہہ ہوں
ہا ہا ہا ہا
تمہارے جسم میں ہمیشہ اس کی مہک رہے گی۔
تمہاری ہر دھڑکن میں نسیم کا نام ہوگا۔
تمہارے ہر درد میں اس کے غمناک چہرے کی تلاطم خیز کسک ہوگی۔
دیکھ لینا
زندگی بھر تم اپنے ہی غم کی چتا میں جلتی رہو گی۔
تمہیں اسے چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتی۔
کبھی نہیں بھاگ سکتی
بولو
کیا یہ غلط ہے؟
زوبی کو اپنا دل حلق میں آتا ہوا محسوس ہوا۔
اس نے اپنے کمرے میں بھاگ جانا چاہا۔

خیالات اس کا پیچھا نہ چھوڑ رہے تھے۔
لیکن
لیکن اسی لمحہ انیلہ کمرے میں داخل ہوئی۔
اور اس کے تصورات کی مالا ٹوٹ کر بکھر گئی۔
چہرے پہ کچھ اُداسی اور غم چھا گیا
جیسے وہ کوئی زندہ لاش ہو
انیلہ کے قریب آنے پہ وہ چونک پڑی۔
انیلہ اس کی حالت سے سب کچھ بھانپ گئی۔
کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہو بیٹھی۔
زوبی ہر وقت سوچوں میں نہ ڈوبی رہا کرو۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب گزرے لمحات کو دہرانے سے کیا حاصل سنبھل جانے کی کوشش کرو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔
زوبی نے چپ سادھے رکھی۔
اور پھر اس کے پاس کوئی جواب بھی تو نہ تھا۔
انیلہ نے پھر جھوٹی تسلی دی۔
اگر نسیم سے قطعی قطع کا تمہیں رنج ہے اور تم دوبارہ اس کی طرف مراجعت ہو تو بھی پہلے تمہیں کسی اور سے شادی کرنا ہوگی۔ میری مانو تو اظہر سے شادی کرلو ایسا کرنے سے تم نسیم کو بھول جانے میں کامیاب ہوگئیں تو ٹھیک نہیں تو اظہر کو چھوڑ کر پھر نسیم کو اپنا لینا۔

انیلہ کی اس رائے پر زوبی کے چہرے کے کئی رنگ بدل گئے۔
لیکن جواب اس نے پھر بھی کوئی نہ دیا۔
زوبی کو گم سم بیٹھے دیکھ کر انیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
تم آج زیادہ ہی پریشان دکھائی دیتی ہو۔ اٹھو چلو میرے ساتھ باہر۔ ذرا گھوم پھر تھوڑی دیر کی تفریح شاید تمہارے اعصاب کی تشنجی دور کردے۔
زوبی نے اس طرح سکوت سادھے رکھا جیسے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔
انیلہ آگے بڑھ کر اس کا بازو کھینچا اور اپنے ساتھ باہر لے گئی۔
بازار میں انیلہ نے کار روکی اور ایک کلاتھ ہاؤس میں گھس گئی۔ زوبی نے دروازہ کھول کر جب باہر نکلنا چاہا تو پاس سے گزرتے ہوئے کسی بچے کے دروازہ لگا اور پتھریلی سڑک پر گر گیا۔ زوبی بے چین سی ہو کر باہر آئی جب غور سے اس کی طرف دیکھا۔
تو دیکھتی رہ گئی۔
ویرانیاں اس کے حواس پر کود گئیں۔
وہ تو خیالات سے چھٹکارا پانے یہاں آئی تھی۔
لیکن
یہاں بھی وہ اس سے چمٹ گئے
سامنے عقیل سڑک پر گرا پڑا تھا۔ سفید کاغذ کے ڈھیروں لفافے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔
عقیل اٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگا۔

زوبی ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔
وہی اس کے ہاتھ کا سلایا ہوا دھاری دار پاجامہ اور سفید کاٹن کی قمیض ہوئے تھا۔ چپل بھی وہی تھی لیکن وہ کچھ کمزور سا ہو گیا تھا۔
زوبی آگے بڑھی۔
عقیل لفافے اکٹھے کرنے لگا تھا
زوبی کے دل میں ہوک اٹھی۔
تو ——— تو ——— کیا
عقیل بازار لفافے بیچتا ہے۔
وہ اس پر جھکی اور ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا۔
عقیل!
جی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
چھوڑ دو ان لفافوں کو
یہ لو اس نے دس کے کئی نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔
معاف کیجئے بیگم صاحبہ۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔
میں بھکاری نہیں
چچا ہسپتال چلے گئے۔ لیکن میں تو محنت کرنے کو زندہ ہوں۔
میں محنت کرتا ہوں۔ کچھ بھی کرتا ہوں
لیکن ——— لیکن ———
بھیک تو نہیں مانگتا

آپ نے انہیں چھوڑ دیا تو کیا ہوا
میں ان کی جگہ زندہ ہوں
میں انہیں کبھی نہیں چھوڑونگا۔
میں ان کا خون ہوں۔
میں زندہ ہوں۔
میرے جیتے جی کوئی بھی میری ماں اور بہن سے جینے کی آرزو نہیں چھین سکتا۔
عقیل نے خوب کھری کھری سنائیں
زوبی کا ذہن بکھر گیا۔ یوں لگا جیسے عقیل نے اس کے منہ پہ ڈھیروں سیاہی مل دی ہو۔
بوجھل بوجھل سے جذبات مچل مچل گئے۔
اس کے دل میں درد جاگ اٹھا۔
نسیم۔ نسیم
کہاں ہو تم؟ اس کا دل پکارا
کیا یہیں تک ساتھ تھا ہمارا؟
عقیل نے لفافے اکٹھے کر کے سامنے خشک پھل والے کے پاس دو روپے لے بیچ دیئے۔ اور گھر کی طرف چلا گیا۔
زوبی وہاں کھڑے کھڑے گھٹن سی محسوس کرنے لگی۔

مایوس سی کلاتھ ہاؤس میں چلی گئی
انیلہ کاؤنٹر پر طرح طرح کے پھیلے پرنٹ دیکھ رہی تھی۔
زوجی بھی جھوٹی امیدوں کے سہارے مصنوعی رنگوں میں کھو گئی۔

۱۷

تم بگڑتے جا رہے ہو۔
سست ہو چکے ہیں
یہی اطوار ہوتے لیکن کیا غریب لڑکوں کے؟
میں اب تمہیں زیادہ دیر تک برداشت نہیں کروں گا۔
پڑھنا نہیں چاہتے تو چھوڑ دو سکول
کیوں گھر والوں کی فیسیں برباد کر رہے ہو
ماسٹر جی گرجتے ہوئے آگے بڑھے
ان کے منہ سے جھاگ چھوٹ رہا تھا۔
"تڑاخ" تڑاخ۔ انہوں نے زور زور سے اپنا بھاری بھرکم اور کھردرا

ہاتھ عقیل کے نازک نازک گالوں پہ آزمایا
اس کی نگاہوں کے گوشے بھیگ گئے اور گردن جھکا لی۔
آج وہ پھر سکول کا کام کر کے نہیں لایا تھا
انہوں نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا پھر تنگ آ کر پڑھانے لگے۔ ان کا پورا پیریڈ عقیل کھڑا رہا۔ لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔
وہ اس سے آج سخت ناراض تھے۔
باقی پیریڈ میں بھی عقیل آج نجھا بجھا سا رہا۔ تفریحی میں وہ کلاس روم سے باہر ہی نہ آیا۔ بس ڈسک پہ سر لگائے سسکتا رہا ماسٹر جی نے جو اسے اس حالت میں دیکھا تو سارا غصہ تھوک کر اس کے پاس آئے اور نرم ہو کر اسے پکارا۔
عقیل!
ٹھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا
رو رہے ہو۔ ان کا دل دکھ گیا۔
کلاس میں سب سے ہوشیار بچہ تھا۔ اسی لیے اس کی اس تبدیلی پہ انہیں خاصا دکھ ہوا تھا۔ تاہم اس کو روتا دیکھ کر ان کے دل کے تار ہل گئے۔
غریب بچہ جو تھا۔ انہیں اپنے جسم کے رویے پہ ندامت محسوس ہونے لگی
ہونٹ بھینچ بھینچ کر عقیل اپنے آنسو پینے لگا
بولو تمہیں کیا دکھ ہے بلا تامل مجھ سے کہہ دو
جی کچھ بھی نہیں اس کے آنسو کبودی رنگ کی پتلون پہ سے ڈھلک ڈھلک

کر بوٹوں کو بھگونے لگے
مجھ کو نہیں سچ سچ کہہ دو جھوٹ مت بولنا۔ تمہیں تمہاری ماں کے خون کی قسم
جی وقت نہیں ملتا
کیا کرتے ہو
صبح اخبار بیچتا ہوں شام لفافے بنا کر بازار فروخت کرتا ہوں۔
دوکان سے زوبی نکلی وہ اس وقت اپنے بھرے بھرے جسم پہ نارنجی رنگ کی شوخ اور بھاری پلو کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ عقیل اور شازیہ کو اس نے اپنے قریب ہی کھڑے دیکھ لیا۔ لیکن وہ دونوں اس کی موجودگی سے بے خبر رہے زوبی سنتوں کی اوٹ میں ہو کر انہ کی باتیں سننے لگی۔
شازیہ نے عقیل کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
بھیا! آپ کو شاید بھوک لگی ہے دیکھئے تو آپ کا چہرہ کیسا مانند اور پھیکا پھیکا سا ہے۔ چلئے میں کھانے کے لیے آپ کو کچھ لے دیتی ہوں۔
عقیل کو شازیہ کی اس بات پر ہنسے بغیر نہ بن پڑا۔
پیسے ہیں تمہارے پاس؟
ہاں تو بھیا
دیکھئے تو اس نے ٹوکری میں ہاتھ ڈالا اور چھوٹے سے رومال میں سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر اسے دکھایا۔ دیکھتے ہیں نا میرے پاس پیسے
لیکن یہ تو امی نے سبزی کے لیے دیئے ہوں گے۔
نہیں بھیا۔

اس نے رومال سے ایک اور روپیہ نکال کر دکھایا
سبزی کے لیے تو یہ ہے۔
وہ تو چچی جان نے مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ اپنی پسند کی کوئی بھی چیز لے کر کھا لینا۔
دونوں بہن بھائی کی باتوں پہ قریب ہی کھڑی زوبی کا دل پسا جا رہا تھا۔
چلو شازی میں تمہیں کوئی چیز لے کر دیتا ہوں۔ عقیل بولا
یہ لیجیے پھر اس نے روپیہ اس کی طرف بڑھا دیا۔
پیسے تو میرے پاس ہیں۔
جھوٹ!
یہ دیکھو! چاند کی طرح چمکتا ہوا ایک روپیہ اس نے جیب سے نکال کر شازیہ کو دکھایا۔
اسے اپنے پاس رکھیے بھیا۔ آپ سکول جاتے ہیں۔ آپ کے کسی کام آئے گا میں نے کیا کرنا ہے یہ روپیہ آپ خود ہی اس کا کوئی فروٹ لے لیجیے پھر گھر جا کر چچی جان کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے۔
دونوں آگے بڑھنے لگے اور سبزی مارکیٹ میں گھس گئے۔ زوبی بھی دوکان کی سیڑھیاں اتری اور باہر کھڑی اپنی کار میں بیٹھ کر دونوں کا تعاقب کرنے لگی شازیہ نے سبزی خریدی اور عقیل نے کینو خرید کر اس کی ٹوکری بھر دی اپنی کتابیں اس نے شازیہ کو تھما دیں اور خود اس کی ٹوکری اٹھا لی۔
دفعتہ کار میں بیٹھی ہوئی زوبی کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔

چہرے پہ اداسی کے سائے گہرے ہونے لگے۔
اور اس پر موت کی سی کیفیت طاری ہونے لگی
سامنے سے نسیم آ رہا تھا۔ بالکل سبزی مارکیٹ کے بیچ و بیچ
زوبی کا دل ڈوبنے لگا۔
نسیم کافی حد تک کمزور ہو گیا تھا
چہرے کا رنگ بھی کچھ ماند ماند سا تھا
جذبات سے مغلوب ہو کر وہ کار سے نیچے اتر گئی اور ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔
وہی نسیم تھا
اس کا اپنا نسیم
وہی بھرا بھرا خوبصورت سرخ و سفید چہرہ
پیشانی پہ ویسی ہی کچھ سلجھی اور کچھ الجھی لیٹ لہرا رہی تھیں
وہی چال
وہی قد
ویسا ہی چوڑا چکلا سینا
رہی بارعب اور پرکشش شخصیت جو ٹسر کی معمولی پتلون اور کاٹن کی سفید قمیض میں بھی خوب بھال تھی۔
زوبی اسے دیکھے گئی
اس کا دل ڈوب رہا تھا
اور

ذہن سوچوں میں ڈوبا منتشر ہی ہوتا جا رہا تھا۔
وہی تو نسیم ہے
جس کے بغیر وہ ایک پل بھی نہ رہ سکتی تھی
جس کا انتظار وہ گھر بیٹھ کر بڑی بیتابی سے کیا کرتی تھی۔
لیکن کاغذ کے ایک معمولی ٹکڑے نے یوں ان کی راہیں کیوں بدل دیں۔
اس کا ذہن سلگ اٹھا تھا
اُف! زمانہ کس قدر بے رحم ہے۔
اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا
اچھا بھلا آباد گھر اجڑ گیا
شوہر جیسی عظیم ہستی مجھ سے چھن گئی
اور اپنی بیٹی نے مجھے ماں ماننے سے انکار کر دیا۔
یہ زمانے کا ستم نہیں تو اور کیا ہے۔
ایسی زندگی سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ ذہن کے کسی تاریک کونے نے مشورہ دیا۔

لیکن اچانک اس کے خیالات بکھر گئے۔
نسیم کو دیکھتے ہی شازیہ یہ ابا جان کہتی ہوئی اس کی طرف بھاگی۔ عقیل بھی نسیم سے لپٹ گیا
شازیہ بے پناہ خوشی میں بولی۔
ابو جی! آپ آ گئے ہسپتال سے

ہاں بیٹی
شازیہ سختی کے ساتھ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی
آپ کے آنے میں تو ابھی دو دن باقی تھے
میں ڈاکٹر سے کہہ کر جلدی آ گیا ہوں بیٹی! میں اب بالکل ٹھیک ہوں
لیکن تم دونوں بہن بھائی بازار کیا کر رہے ہو۔
میں بنری لینے آئی تھی ابو جی! یہاں بھائی جان مل گئے۔ سکول سے لوٹ رہے ہیں۔ دیکھئے تو انہوں نے مجھے ڈھیر سا فروٹ دے دیا ہے۔
نسیم نے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔
تمہارا بھیا بہت اچھا ہے بیٹی۔ نسیم اسے اٹھائے آگے بڑھنے لگا۔
اچانک اس کی نظر کار کے قریب کھڑی زوبی پر پڑی جو اسے ٹکٹکی دیکھے جا رہی تھی۔ نسیم ٹھٹک ہی تو گیا
اس کے پاؤں جم گئے
خیالات کا ریلا اسے ماضی کی طرف دھکیل کر لے گیا۔
زوبی کی صحبت میں گزرے ہوئے دن نگاہوں کے سامنے ہو بہو ناچ اٹھے۔
زوبی بھی ٹکٹکی باندھے کھڑی تھی۔
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے نڈھال ہو کر کار پر جھک سی گئی
خیالات میں غرق نسیم کو شازیہ نے چونکا دیا۔
ابو جی! مجھے نیچے اتار دیجیے آپ تھک جائیں گے۔
نسیم چونک کر پھر آگے بڑھنے لگا۔

نہیں بیٹی۔ نہیں تھکنا

نہیں ابو جی! میں کوئی بچہ تھوڑا ہی ہو۔ مجھے اتار دیجیے میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر چلوں گی۔

نسیم نے اسے اتار دیا۔

تینوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

جب وہ گھر داخل ہوئے۔ ناہید تمیزن جوا کے ساتھ صحن میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی تمیزن محلے کی بیوہ اور بے سہارا عورت تھی بس اکیلا اپنا دم تھا محلے والوں کے چھوٹے موٹے کام کر کے پیٹ پال لیا کرتی تھی محلے میں ایک وہی تو تھی جو ناہید کی دم ساز اور غمگسار تھی۔ ناہید کے پاس وہ اکثر آتی اور اس کے خلاف محلے کے عائد کردہ الزامات کی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہتی ہی رہتی عمر اتنی زیادہ نہ تھی۔ مگر غربت اور تفکرات زمانہ نے قبل از وقت ضعیف بنا دیا تھا۔ سر کے بال بھی چاندی کی طرح سفید ہو گئے تھے۔

نسیم اندر داخل ہوا تو تمیزن اٹھ کر جانے لگی۔ مگر نسیم نے ملائمت سے کہا

بیٹھو خالہ جی!

ناہید بھی بولی

بیٹھ جاؤ تمیزن لو۔ چائے پکا رہی ہوں پی کر جانا

تمیزن بوا بیٹھ گئی

نسیم اب پھر ورکشاپ میں کام کرنے لگا تھا۔ اس کا ایک دوست ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ وہ پانچ بجے کے بعد بی۔ اے کرنے کے لیے ایک نائٹ کالج جاتا اور ٹیکسی نسیم کے حوالے کر جاتا۔ ورکشاپ میں کام کرنے کے علاوہ نسیم پانچ بجے کے بعد ایک دن خود ٹیکسی چلاتا اور ایک دن عادل چلاتا اس طرح گھر کے حالات پھر سدھر سے گئے تھے۔

۱۸

شام سنولا چکی تھی۔
فضا میں خوب اندھی بارش کے اثرات تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی
ٹیکسی پارک کر کے وہ سینما کی سیڑھیاں چڑھا۔
اس کی چال بوجھل تھی
اور
چہرہ کچھ بجھا بجھا اور اُداس سا تھا۔
اس کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے عادل نے جلدی جلدی چند سیڑھیاں پا
کیں۔ اور اس کے پہلو سے پہلو ملا کر دھیمے سے کہا۔
نیم ٹکٹیں کھلنے میں ابھی دیر ہے۔ چلو ویٹنگ روم میں بیٹھ کر چائے پئیں
ہیں۔
دونوں ویٹنگ روم میں داخل ہوئے۔

اف اندر عجیب سماں تھا
ایک صوفے پر۔ اختر اور انیلہ بیٹھے تھے۔
اور
اور دوسرے پر اظہر اور زوبی تھے۔
نیم کو اپنی بینائی پر شک گزرنے لگا اسے وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ زوبی، اظہر کے
اتنا اس قدر قریب ہو جائے گی۔ زوبی اسے جلانے کی خاطر اظہر کے اور قریب ہو گئی۔
نیم کے تیوروں پر بل پڑ گئے
جانے کیوں؟
اب تو وہ اس کی بیوی بھی نہ تھی۔
لیکن ہائے محبت!
وہ اب بھی زوبی کو چاہے جا رہا تھا۔
طلاق ہو گئی تو کیا ہوا۔ محبت تو اب بھی اس کے دل میں موجزن تھی۔
نیم کے لیے محبت زوبی کے دل میں بھی تھی۔
دل اس کا بھی زخمی تھا۔
اس کے دل میں بھی دھکتی کسک تھی۔
آئینہ دل اس کا بھی ٹوٹا ہوا تھا۔
روح اس کی بھی پگھلی پگھلی سی تھی۔
اس وقت نیم کو جلانے کی خاطر وہ ضرور اظہر کے قریب ہو گئی تھی۔
مگر

اس کا دل اندر ہی اندر سلگ اٹھا تھا
نسیم سے محبت اپنی جگہ اٹل جو تھی
ایسی محبت
جیسے نکال پھینکنا اس کے بس کا روگ نہ تھا
نسیم بچارہ یہ سماں برداشت نہ کرے گا۔
ٹانگیں کپکپا گئیں
دل نیچے ہی نیچے ڈوبنے لگا۔
بڑے دکھ کے انداز میں وہ باہر نکل گیا۔ عادل کچھ نہ سمجھ سکا کیونکہ اس
زوبی کو آج تک دیکھا ہی نہ تھا۔
عادل کے ساتھ جب وہ گیلری میں آن بیٹھا۔ تو اس کے ذہن میں پھر آ
کے جھکڑ اور دل میں غموں کا طوفان چل نکلا۔ اس کے بالکل سامنے کی سیٹ پر
جانے کن خیالوں میں مگن اظہر کے پہلو سے پہلو ملائے بیٹھی تھی۔ نسیم جب اپنی
پر بیٹھا تو زوبی نے اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی گہری موٹی خوبصو
آنکھوں میں دکھ اور غم کی بے کراں دھند تھی مگر
نسیم کو دیکھتے ہی خبر نہیں اس کے ہونٹوں پر کیوں تلخ سی مسکراہٹ بکھر
شاید حالات سے انتقام کی خاطر

یا
یا وہ ماضی کو یکسر بھول جانا چاہتی تھی۔

نسیم کو کچھ خبر نہ تھی کہ سامنے سکرین پہ کیا ہو رہا ہے۔
زوبی کی موجودگی میں اس کے خیالات بکھر کر گھومنے لگے تھے۔
اس کا سارا جسم تپ اٹھا
بے چینی میں وہ سارا وقت اپنی نشست پہ پہلو بدلتا رہا۔
زوبی بھی اپنی جگہ پر سکون نہ تھی۔ وہ اظہر کے ساتھ ضرور بیٹھی تھی۔
مگر
اس کا جی چاہ رہا تھا۔
کہ
کہ اُٹھ کر سکرین پھاڑ ڈالے
اپنے قریب بیٹھے ہوئے اظہر کا منہ نوچ لے
اور
اٹھ کر نسیم کے پاس جا بیٹھے
لیکن وہ
کچھ بھی تو نہ کر سکی
بس اپنی جگہ پر بیٹھی دل ہی دل میں روتی رہی
فلم کے اختتام پر زوبی نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ نسیم وہاں نہ تھا۔ شاید وہ پہلے ہی
نکل چکا تھا۔ بوجھل بوجھل سی وہ باہر آئی اور کار میں بیٹھ گئی۔ انیلہ اختر کے
اگلی نشست پر جم گئی جو کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں اظہر نے مختلف
انداز پہ زوبی سے باتیں کرنے کی کوشش کی مگر زوبی جانے کہاں غرق تھی کہ

ہوں ہاں کہہ کر چپ سادھ لیتی۔ اظہر اسے باتیں کرنے کے موڈ میں نہ دیکھ کر چپ ہو رہا۔

ادھر اُدھر کی سڑکوں پر ہوتی ہوئی کار جب ایک بڑے سے میدان کھلے گراؤنڈ کے پاس سے گزرنے لگی تو سامنے سڑک پر ایک سیاہ اور نارنجی ٹیکسی راستہ روکے کھڑی تھی کار پاس کرنے کے لیے اختر نے دو تین ہارن دیے مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ ناچار اسے سردی میں باہر اترنا پڑا ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی جاری تھی اور قریب ہی بجلی کے کھمبے سے چپکے ہوئے بلب کی روشنی پانی کی میں مدہم ہو کر رہ گئی تھی کچھ سردی اور کچھ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کے باعث سڑک بالکل ویران ہو چکی تھی۔

اختر نیچے اتر کر نسیم کو پہچانے بغیر ذرا ترشی سے بولا۔

اے ٹیکسی ایک طرف ہٹاؤ۔ دیکھو ٹریفک بند ہو گئی ہے۔

نسیم چیسٹر کے کالر کانوں تک چڑھاتے ہوئے نیچے اترا

کیا بات ہے؟

اختر اسے پہچان گیا

تم؟

ہاں میں۔ نسیم آگے بڑھا

گھبرا کیوں گئے ہو؟

اختر کچھ کچھ بدحواس ہو گیا

تم ——— تم ٹیکسی ایک طرف ہٹا لو

ذرا ٹھہرو۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنا پرانا حساب چکانے کے لیے روکا ہے۔

نسیم نے آگے بڑھ کر گریبان سے پکڑ لیا۔

ٹھک ٹھک ٹھک

نسیم نے اپنے سخت مکوں سے اختر کا جبڑہ، گردن اور پیٹ بجا ڈالے

زوبی اور انیلہ بھی نسیم کو پہچان گئیں۔

اختر کو پلٹتے دیکھ کر اظہر بھی نیچے اترا

دوسری طرف عادل بھی ٹیکسی سے باہر آ گیا۔ لیکن نسیم زور سے چلایا

عادل! تم وہیں رکے رہو۔ میں اکیلا ان دونوں سے نمٹ لوں گا

کچھ دیر تک تینوں آپس میں گتھم گتھا رہے لیکن جلد ہی نسیم کے دونوں کو مار مار کر نڈھال کر دیا۔ آخر اس نے اختر کو اٹھا کر سڑک کے قریب گہری کھڈ میں پھینک دیا۔ اختر ایک پتھر پر گرا اور اس کی داہنی ٹانگ ٹوٹ گئی نسیم ٹیکسی میں بیٹھ کر آگے بڑھ گیا اور اظہر کانپتا کانپتا اختر کو باہر نکالنے کے لیے کھڈ میں اترنے لگا نسیم جاتی بار کہہ گیا کہ اب میرا تمہارا حساب بیباق ہے میں نے تم دونوں سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔

انیلہ کے کہنے پر زوبی اب خوب کھل کر اظہر کے ساتھ گھومنے لگی تھی گھر پر کوئی اسے منع کرنے والا نہ تھا۔ وجاہت کو بیماری نے دبوچ رکھا تھا۔ ویسے بھی وہ نسیم اور زوبی دونوں سے خفا تھے۔ نومی بیچاری دن بھر ہسپتال میں رہتی۔ گھر آ کر وہ بڑی تندہی سے وجاہت کی تیمارداری میں کھو جاتی طلاق ہو جانے پر وہ زوبی

سے کھچی کھچی سی رہنے لگی نہ وہ اس سے کھل کر بات کرتی۔ نہ ہی اسے اب اس کے مستقبل سے کوئی دلچسپی رہی تھی۔ وہ تو بس اپنے ہی کاموں میں ہر وقت مگن رہتی۔

ان حالات میں زوبی ماضی کی کسیلاہٹ کو بھول جانے کی خاطر خوب گھوم رہی تھی پھر رہی تھی۔ تفریح طبع کے لیے وہ نت نئے ڈیزائن اختیار کرتی۔ آزادی خیال کی کھلی فضاؤں نے اپنا رنگ دکھایا اور اس کی صحت جو طلاق لینے کے بعد بڑی تیزی سے گرنا شروع ہو گئی تھی پھر سنبھل گئی۔

چہرے کا رنگ و روپ خوب نکھرنے لگا

جسم بھر بھرا بھرا سا ہو گیا۔

ویسے بھی اس کے جسمانی اعضاء اور خدوخال ایسے تھے کہ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کنواری ہے یا کوئی بیاہتا عورت حسین جو تھی

اور وہ بھی حد سے زیادہ

یہ اس کا حسن اور جسمانی کشش ہی تو تھی جو اظہر ہر وقت اس سے چپکا رہتا

وہ زوبی کو اپنے دام میں لا رہا تھا

خوب دیکھ بھال کر

زوبی سے شادی

اس کے ساتھ جنسی ہوس

اس کے بھرے بھرے جسم کی خواہش

اب یہی اس کی زندگی کی واحد آرزو تھی۔

اب وہ اکثر زوبی کا ہاتھ تھام لیتا

وہ کچھ بھی نہ کہتی

جذبات سے مغلوب ہو کر وہ اس کا چکنا گورا گورا اور گداز بازو سہلاتا

مگر

مگر وہ کوئی احتجاج نہ کرتی

نہ جانے کیوں؟

ایسی تو نہ تھی

شاید

وہ سہانے مستقبل کی خوابوں جیسی دھند میں بڑی تیزی سے کھو جانا چاہتی تھی

انیلہ نے اسے اظہر سے شادی پر بھی رضامند کر لیا تھا۔ ہاں زوبی نے صرف یہ شرط رکھی تھی کہ وہ شادی سے قبل اظہر کے مزاج، اخلاق اور اطوار کو پرکھے گی

اسی لیے شاید وہ اظہر سے خاصی گھلی ملی رہتی۔

انیلہ پر بھی اب گھومنے پھرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اختر کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی

وہ ہسپتال کے اسی وارڈ میں پڑا تھا جہاں نسیم کچھ ماہ گزار چکا تھا بس وہ تھے

اور

عیش و عشرت، رنگ رلیاں اور آزاد خیالیاں

اور یہی دولت مندوں کی زندگی کے رنگ و لہو کا واحد سہارا ہیں۔

اس روز بھی کلب جانے کے لیے وہ تینوں گھر سے نکلے۔ شام ختم ہو کر

رات کا روپ دھار چکی تھی۔ سڑکوں پر قطار در قطار بجلی کے کھمبوں سے چپکے ہوئے

بلب جگمگا اٹھے تھے۔ سینما گھروں میں خوب رونق تھی۔ بازار کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ رقاصاؤں کے کوٹھے آباد تھے۔ گلیوں میں خاصا رش تھا۔ سڑکوں پر کاریں لمبی اور ٹرک دھندناتے رہے تھے۔ ہوٹلوں میں زندگی کی بہار تھی۔ عیاشی کے اڈوں میں گہما گہمی تھی۔ شراب خانے کھلے ہوئے تھے۔ ہاں مسجدیں، مندر اور گرجا گھر سنسان و ویران تھے اور غریب گھروں سے نکلی ہوئی ہلکی دھیمی روشنی بھی اداس تھی۔

کار باہر کھڑی کر کے تینوں کلب داخل ہوئے۔ زوبی کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ کلب میں داخل ہو رہی تھی اس کا دل کچھ کچھ کانپتا انیلہ کی معیت میں وہ آگے بڑھ گئی۔

کلب کیا تھا ارضِ فانی پر بے حیائی کی جنت تھی

ایسی جنت

جہاں۔ عیاشی اور شراب پینے کی کھلی چھٹی تھی۔

جہاں سے شرافت اور حیا کے جنازے اٹھتے

ماں بہن کی تمیز کچھ نہ تھی۔

اخلاق اور تمدن کا مظاہرہ صرف دھوکا اور فریب

شرافت کی آڑ اپنے باطن کی پنہائی

نو وارد لوگ وہاں تفریح طبع کو جاتے اور عزت غیرت، حیا اور شرم کے جنازے اٹھتے دیکھتے۔

اور ؟

اور وہاں

محبت اور چاہت کا اظہار محض نازہ وارد عورتوں کو پھانسنے کا مضبوط جال تھے۔

زوبی جگمگاتی روشنیوں اور اٹھتی ہوئی خوشبوؤں میں آگے بڑھتی اور

بس بڑھتی چلی گئی

منزل سے بے خبر

ارد گرد سے انجان

اپنی راہ سے بھٹک ہوئی

ناداں جو بنا دی گئی تھی!

تینوں ایک کمرے میں جا بیٹھے ارد گرد بہت سے لوگ بھی کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔ بیرا کچھ ہی دیر بعد اظہر کے سامنے شراب کی ایک بوتل اور تین گلاس کچھ اس انداز سے رکھ گیا۔ جیسے وہ اس کا روزمرہ کے اطوار سے خوب واقف ہو۔ اظہر نے پیگ بنائے۔ انیلہ نے بلا جھجک اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ زوبی نفرت ملی بلی سوالیہ نگاہوں سے اظہر کی طرف دیکھنے لگی وہ فوراً تاڑ گیا لہٰذا اس کے لیے کافی کا آرڈر دے ڈالا۔

زوبی کافی پینے لگی اظہر اور انیلہ شراب چڑھانے لگے

اظہر نے آج تک زوبی کے سامنے کبھی شراب نہ پی تھی لیکن اب اسے جانے کیوں وہم سا ہو گیا تھا کہ زوبی اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ تو صرف دل کے داغ کی جلن اور حالات کی چیرہ دستیوں کے ہاتھوں سے وقتی طور پر پناہ ڈھونڈھ رہی تھی اظہر نے اسی وہم میں کہ اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔

آج

جی بھر کر مے نوش کی

زوبی اسے دیکھے گئی اس معصوم بچے کی طرح جس کے ہاتھ میں کھلونا دے کر اچانک چھین لیا گیا ہو۔

اس کے تیوروں پر بل تھے

اور

نگاہوں میں دھکتی ہوئی نفرت کے انگارے

بوتل ختم ہو چکنے پر تینوں اٹھ کر ہال روم میں آ گئے زوبی ان کا ساتھ ضرور دے رہی تھی مگر بڑی بددلی اور بے چینی کے ساتھ

تھوڑی دیر بعد ڈانس شروع ہو گیا انیلہ اٹھ کر اپنے ایک نوجوان آشنا کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ وہ اس کی ران سے ران ملائے ہوئے تھی ہاتھ اس کے شانوں پر رکھے وہ بار بار اس کی سانسوں سے اپنی سانس ملاتی۔ بے حیائی اور شراب کے نشے میں اندھی ہو گئی تھی۔

اظہر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر زوبی کی طرف بڑھا

بالکل قریب ہو کر اس پر جھکا

سانس سے سانس ملی

اظہر نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

اٹھو ڈانس کریں

وہ مدہوش تھا۔

زوبی کے تیور بدل گئے

اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدلا۔

پھر

پھر وہ تلملا گئی۔ زخمی شیرنی کی طرح

اچانک اس کا ہاتھ اٹھا

تڑاخ تڑاخ تڑاخ اس نے اظہر پر اپنا ہاتھ برسایا

ذلیل۔ کمینہ۔ گھٹیا۔ بے حیا

تھو

اس نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کانپتی ہوئی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

ہال میں سناٹا چھا گیا

اور اظہر وہاں اپنے آپ کو سب سے حقیر انسان محسوس کر رہا تھا۔

کلب کے گیٹ پر چند لمحے ہی کھڑی ہوئی تھی کہ دائیں طرف سے ایک ٹیکسی آتی دکھائی دی اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور غصے میں جلدی جلدی دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی۔ ٹیکسی پھر چل دی۔ اچانک ڈرائیور کی آواز گونجی

کہاں چلیں گی بیگم صاحبہ کسی دوسرے کلب یا پکچر ہاؤس

زوبی کے کانوں میں جیسے کسی نے رس گھول رہا ہو۔ جلدی جلدی موندھی ہوئی آنکھیں کھول کر اس کے سامنے دیکھا تو حیرت سے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ٹیکسی ڈرائیور نسیم تھا

اس کا اپنا نسیم! جس سے اس کا تعلق ختم ہو چکا تھا مگر اپنائیت اور چاہت

کی دھند اب بھی اس کے دل میں گھول رہی تھی

جانے کیوں اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

آپ کو وہم ہوا ہے۔ زوبی ایسی نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔

نسیم نے بے اعتنائی سے کہا

مجھے اس سے کوئی غرض نہیں صرف یہ بتاؤ کہاں جاؤں گی

اپنے گھر

زوبی نے اپنا سر سیٹ کی پشت پر ٹکا دیا۔ غم اور دکھ کے باعث اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد نسیم نے ایک اور تیر مارا

بس خوش ہو گئیں طلاق لے کر

خوب گھومو

کلبوں کے چکر لگاؤ

شراب پیو اور ڈانس کرو

جی بھر کر تار تار کرو باپ کی شرافت کا لبادہ

زوبی نے جواب میں بہت کچھ کہنا چاہا

مگر

اس کی زبان جیسے سلب کر لی گئی ہو۔

اس نے وہاں سے اُٹھ کر نسیم کے پاس اگلی نشست پر آ کر بیٹھنا چاہا

لیکن

اس کے پاؤں میں جیسے زنجیر ڈال دی گئی ہو

ناچار آنکھیں موندھ کر سر پشت پر ٹکا دیا

اسے اس وقت ہوش آیا جب ٹیکسی ایک دھچکے کے ساتھ رکی اور نسیم کی آواز گونجی

آپ کا گھر آ گیا

زوبی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ہمیشہ یونہی نسیم کے ساتھ سفر کرتی رہے۔

مجبوراً بے دلی سے نیچے اتری

کتنے پیسے؟ اس کے پرس کھولا

نسیم سٹیرنگ پر جھک گیا

میٹر دیکھ لو

یہ لیجیے اس نے سو کا نوٹ نسیم کی طرف بڑھا دیا۔

میں بھکاری نہیں ہو۔ عید قریب آ رہی ہے۔ ٹیکسی کا کرایہ شاذیہ کی طرف سے عیدی سمجھ کر رکھ لو۔

ٹیکسی ایک دھچکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

زوبی کی آنکھوں سے آنسو کے دو موٹے موٹے قطرے گرے جنہیں ساڑھی کے پلو سے اس نے پونچھ ڈالا

اور

تھکی تھکی سی بوجھل چال کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہو گئی۔

19

زوبی اب اظہر سے متنفر ہو چکی تھی۔ گھومنا پھرنا۔ کلب اور سینما جانا۔ تفریح اور شاپنگ کے لیے نکلنا اس نے قطعاً ترک کر دیا تھا۔ بڑی محویت سے اب وہ وجاہت کی تیمارداری بھی کرنے لگی تھی۔ نوی بھی اس کی تبدیلی پر خوش ہو گئی تھی اظہر کا وجاہت کے ہاں آنا جانا بند کر دیا گیا تھا۔ ہاں انیلہ آتی جاتی تھی۔ اس نے لاکھ کوشش کیں کہ اظہر اور زوبی کے تعلقات پھر استوار ہو جائیں گے مگر زوبی نہ مانی وہ تو اب اس کی شکل دیکھنے سے بھی بیزار تھی۔ اختر ابھی تک ہسپتال میں پڑا تھا اور انیلہ اب اکیلی اظہر کے ساتھ خوب گھوم پھر رہی تھی۔

انیلہ اپنے آپ کو اس وجہ سے مجرم گردان رہی تھی کہ زوبی اور نسیم کی گھر بلوناچاقی کی وہ ذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس نے بڑی سرد روی سے زوبی کی شادی کی بات چیت نوی اور وجاہت سے کی۔ وہ لوگی باپ بیٹی مان گئے۔ مگر زوبی دوسری شادی کرنے

کو تیار نہ ہوئی۔ دن رات اس کے ذہن میں اب نسیم ہی نسیم تھا۔ لیکن وجاہت اور نوی نے اس پر خوب زور ڈالا۔ انیلہ نے بھی خوب پند و نصیحت کی آخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے

انیلہ اور زوبی رشتے کی تلاش میں دھوڑنے لگیں پھر کچھ دن بعد شادی کی تیاریاں ہونے لگیں آخر ایک روز بڑی دھوم دھام سے زوبی کی کچھ اس طرح شادی ہو گئی جیسے کسی کنواری لڑکی کی ہوتی ہے۔ اس کا شوہر چالیس پینتالیس کے پھیر میں تھا مگر امیر ترین ہونے کے باعث شہر کی چند گنی چنی شخصیتوں میں سے تھا۔ پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی جس میں سے کوئی اولاد نہ تھی۔

زوبی کی شادی ہو گئی مگر سکون اسے پھر بھی نہ ملا۔ نسیم اور ناہید کو بھی اس شادی کی اطلاع ہو گئی وقتی طور پر نسیم کو سخت ملول ہوا لیکن صبر کر کے خاموش ہو گیا۔ شازیہ کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کی امی نے شادی کر لی ہے سن کر بیچاری رو دی اور کر بھی کیا سکتی تھی ہاں اس کا ایک ردِعمل ضرور ہوا وہ پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے نسیم کی خدمت اور اس سے محبت کرنے لگی۔

باپ جو تھا

اور وہ بھی دکھی اور غمزدہ

اس روز جب وہ نسیم کا کھانا لے کر دوپہر کے وقت دکان کی طرف جا رہی تھی تو راستے میں ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔ دیکھتے ہی دیکھتے زوبی اس میں سے اتری یہ اس کے شوہر کی کار تھی۔ شازیہ اسے دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

لیکن
زوبی اس کے پیچھے بھاگی
شازی!
شازیہ بالکل نہ رکی
میں آگے چلتی رہی
زوبی نے بھاگ کر اسے پکڑ لیا۔
شازی! اتنی سنگدل ہوگئی ہو بیٹی! بات تو سنو
شازیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے
غصے میں وہ جیسے پھٹ پڑی
سنگدل میں ہوں یا تم
تم نے ہمارا گھر برباد کیا
ابا کو دکھ اور غم کے سوا کیا دیا تم نے
ان کی ٹانگ تڑوا دی
نامبیڈ بیجی کو محلے بھر میں بدنام کر دیا
وہ کھانے کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑے زوبی کے سامنے کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔
تم ——— تم نے ابا کی زندگی تباہ کر دی
کیا ملا تمہیں؟
ساتھ ہی تم نے مجھے بھی

اس کے آنسو گر پڑے
اور سسک سسک کر رو دی
زوبی نے اسے لپٹا لیا
مگر وہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی
چھوڑ دو مجھے
زوبی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا
چلو بیٹھو کار میں میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں
نہیں۔ میں ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں۔ تم جاؤ میں پیدل چلی جاؤں گی۔
شازی! زوبی نے احتجاج کیا۔
تم نے تو شادی کر لی تمہیں میرے ابا کی کیا فکر
زوبی دل تھام کر رہ گئی۔
شازیہ آگے بڑھ گئی۔
زوبی سنبھلی اور کار میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کرنے لگی۔
شازیہ ورکشاپ میں داخل ہوئی تو وہ بھی کار ایک طرف کھڑی کر کے لوہے کے گیٹ کی اوٹ میں ہو کر اندر جھانکنے لگی۔ سامنے ہی نسیم ایک کار کے نیچے لیٹا کام کر رہا تھا۔ شازیہ نے کھانے کا ڈبہ ایک طرف رکھا اور نسیم کی ٹانگ پکڑ کر ہلائی۔
ابو جی! کھانا کھا لیجیے۔
نسیم جلدی جلدی باہر نکلا اور شازیہ کو لپٹا لیا۔
تم آگئیں بیٹی؟

جی ہاں

آج سویرے آگئی ہو

میں نے سوچا آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ اس لیے چلی آئی۔

ہاں بیٹی بھوک تو مجھے بہت لگی ہوئی ہے۔

تو پھر کھائیے نا۔ بالکل گرم ہے کھانا وہ ڈبہ کھولنے لگی۔

نسیم نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے لیا۔

چھوڑ دو بیٹی میں خود کھول لیتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ عادل کو بھی پکارنے لگا۔

عادل! عادل! جلدی آؤ کھانا کھالو آکر

عادل بھی آگیا دونوں آلتی پالتی مار کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے اور شازیہ نسیم کی ران پر بیٹھ گئی۔ زوبی دروازے کی اوٹ میں سے برابر دیکھے جارہی تھی۔ شازیہ جب اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے لقمے بنا کر نسیم کے منہ میں ڈالنے لگی تو عادل مسکرا کر بولا۔

نسیم! اللہ قسم بڑی پیاری بچی ہے شازیہ۔ ایسی بیٹی تو کسی قسمت والے ہی کو ملتی ہے۔

نسیم نے اپنا بازو شازیہ کی گردن پر لپیٹ کر اس کا سرخ سرخ گال چوم لیا۔

ہاں! بہت اچھی بیٹی ہے ہماری

کھانا کھا چکنے کے بعد نسیم نے ڈبہ بند کیا اور شازیہ کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر باہر لایا۔

زوبی دونوں کو دیکھ رہی تھی اور رو رہی تھی۔

خوب رو رہی تھی

شاید دونوں باپ بیٹی میں محبت دیکھ دیکھ کر

نسیم جب باہر نکلنے لگا تو وہ اوٹ میں ہوگئی قریب ہی ایک دوکان کے پاس پہنچ نسیم نے شازیہ کو نیچے اتارتے ہوئے کہا۔

ٹھہرو بیٹی میں تمہیں ٹافیاں لے دوں

رہنے دیں ابو جی! شازیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مگر نسیم نے ٹافیاں اسے لے ہی دیں

اس کی ہلکی گلابی رنگ کی فراک کی جیب میں وہ ٹافیاں ڈالتے ہوئے پھر

پیسے لے جاؤ جاتی دفعہ پکانے کے لیے بھی کچھ لیتی جاؤ بیٹی۔

وہ تو چچی جان شام کے لیے گوشت لے گئی ہیں۔

نسیم نے ایک روپیہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اچھا چچی اور بھائی کے لیے کچھ لیتی جانا

شازیہ نے روپیہ لے لیا اور واپس چل دی۔ نسیم نے بڑے پیار سے کہا۔

شازی۔ سڑک کے بائیں بائیں جانا اور ٹریفک سے بچ کر نکلنا

شازیہ کے واپس مڑ کر ہاتھ ہلانا

آپ فکر نہ کریں ابا جان

نسیم آہستہ آہستہ چلنا اور بار بار مڑ کر شازیہ کی طرف دیکھتا ہوا دکان پ

میں گھس گیا۔

اور

زوبی اداس اور پریشان پریشان سی اپنے گھر لوٹ گئی۔

اسی رات نسیم دریا کے قریب شہد کی ایک مضافاتی بستی میں کسی سواری کو اُتا کر واپس لوٹ رہا تھا کہ دریا کی طرف سے آنے والی سڑک پر شہر سے کوئی ایک میل باہر سڑک کے ایک طرف سفید رنگ کی ایک لمبی سی کار کھڑی تھی۔ نسیم جونہی اسے کرنے لگا کسی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کھڑا کیا۔ نسیم نے ٹیکسی روک لا دروازے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

کیا بات ہے۔

اجنبی آگے بڑھ کر بولا۔

میری کار خراب ہو گئی ہے کیا کوئی مدد کر سکو گے۔

نسیم نیچے اتر پڑا

کیوں نہیں

اس نے پہلے کار میں گھس کر سٹارٹ کرنے کی کوشش مگر انجن کی آواز نہ آئی ناچار باہر آیا اور ڈسٹری بیوٹر کا کپ کھول کر دیکھنے لگا پھر کار مالک سے مخاطب ہوا۔

آپ ذرا انجن سٹارٹ کریں دیکھوں کرنٹ آ رہی نہیں

اس نے انجن سٹارٹ کیا

نسیم تاروں پر انگلی لگا لگا کر دیکھتا رہا۔

باہر آجائیں وہ پھر بولا۔

آپ کے پاس کوئی تار ہو گا

جی نہیں

اچھا ٹھہریں میں دیکھتا ہوں

وہ اپنی ٹیکسی کی طرف گیا اور ایک نئی تار اٹھا لایا اور ڈسٹری بیوٹر میں لگا یا پھر اس نے انجن جو سٹارٹ کیا تو وہ کھٹ سے سٹارٹ ہو گیا

اجنبی خوش ہو کر بولا۔

کیا نقص تھا؟

ڈسٹری بیوٹر کی تار میں کرنٹ نہیں جا رہا میں نے تار بدل دیا ہے

میں آپ کا بہت مشکور ہوں

پھر

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس کے کئی نوٹ نسیم کی طرف بڑھا دیئے۔

اس نے پریشانی سے پوچھا۔

یہ کیا؟ میں کسی صلے کا خواہش مند نہیں۔

اس کے ذرا خجالت سے کہا

میں معاوضہ نہیں صرف آپ کے کام سے خوش ہو کر دے رہا ہوں

معاف کیجیے میں نے تو صرف انسانی ہمدردی کی بنا پر ایسا کیا ہے اور انجن کے متعلق جانتے ہوئے آپ کی مدد کرنا میرا اخلاقی فرض بھی تھا۔ کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا نیچ آدمی کا کام ہے۔

اس نے روپے پھر جیب میں ڈال لیے۔

تم بہت بلند اور عظیم انسان ہو۔ تمہارے بولنے کا انداز اور لب ولہجہ شستہ و شائستہ ہے تم کچھ پڑھے لکھے اور مجبور جوان دکھائی دیتے ہو میرے خیال میں یقیناً تم پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیور نہیں۔

نسیم نے اس کی بات کاٹ دی

چھوڑیئے ان باتوں کو اچھا میں چلتا ہوں

ٹھہرو!

اپنا نام تو بتا جاؤ

میرا نام نسیم ہے اقبال نگر رہتا ہوں

وہ چند قدم اور نسیم کی طرف بڑھا

میرا نام سعید عابد ہے ویسے زیادہ تر عابد ہی کے نام سے مشہور ہوں۔

وہ کچھ رکا

پھر جیب ٹٹولنے لگا۔

ہاں یہ لو میرا ایڈریس کارڈ

نسیم نے ہاتھ آگے بڑھا کر کارڈ لے لیا

مجھے تمہارا انداز گفتگو، مزاج اور اخلاق بے حد پسند آیا ہے میں نے زندگی میں کوئی ایسا ٹیکسی ڈرائیور نہیں دیکھا۔ جو تمہاری طرح سلجھا ہوا اور شستہ گفتار ہوں

نسیم نے عاجزی کا اظہار کیا۔

آپ تو یونہی مجھے آسمان پہ چڑھانے لگے

نہیں غلط نہیں کہہ رہا۔ پھر آؤ گے کبھی میرے ہاں

نسیم سوچ میں پڑ گیا

دیکھو ٹالنا نہیں

میں پکا وعدہ نہیں کرتا۔ وقت ملا تو ضرور حاضر ہوں گا۔

تم مجھے بھائی سمجھ کر بلا جھجک میرے ہاں آؤ۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو کیسا بھی ہو تم ہمیشہ مجھے ہمدرد اور اپنا ہمنوا پاؤ گے۔

نسیم اپنی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

آپ کی مہربانی کبھی ضرور حاضر ہوں گا

تھوڑی دیر بعد نسیم آگے آگے اور عابد پیچھے پیچھے تیزی سے شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

۲۰

"نسیم"، نسیم"
بڑے بازار میں سے گزرتے ہوئے اسے پیچھے سے کسی نے پکارا۔
نسیم نے شاید سنا نہیں تھا
یا ہو سکتا ہے سن لیا ہو اور دھیان نہ دیا ہو
بہر حال وہ رکا نہیں
نہ ہی مڑ کر پیچھے دیکھا
نسیم"، نسیم"
اس بار کوئی زور زور سے چلایا
نسیم رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

عابد نے حیرت کا اظہار کیا
کمال ہے بھائی بہت محنت کرتے ہو۔ عمر تو تمہاری کوئی اتنی دکھائی نہیں دیتی۔ برے خیال میں تو ابھی شادی بھی نہ کی ہوگی پھر کن بکھیڑوں کے باعث اس قدر بوجھ روات کیے ہوئے ہو۔
خاندان تو کوئی اتنا بڑا نہیں لیکن میں کچھ عرصہ کے لیے ہسپتال چلا گیا تھا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ بس اسی کمی کو دن رات کی محنت سے پورا کر رہا ہوں۔
خوب بھئی خوب۔ خاصے دلچسپ انسان ہو۔ عابد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا
چلو پھر میرے ساتھ
نسیم نے فوراً بہانہ تراشا
ابھی تو شام ہو رہی ہے۔ کل اتوار ہے صبح ہی صبح آؤں گا۔
تم پھر بھول جاؤ گے۔
نہیں بھولتا
اچھا چلو تمہیں گھر تو چھوڑ آؤں
چلا جاؤں گا۔ کیوں زحمت اٹھاتے ہیں۔
عابد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا
زحمت کاہے کی۔ آؤ
دونوں پھر واپس مڑے۔ تھوڑی ہی دور عابد کی کار کھڑی تھی۔ خاموشی کے ساتھ دونوں اگلی نشست پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ کار چلنے لگی۔ نسیم کے کہنے پر

لا کر اسے رکنے کو کہہ رہا تھا۔ جب وہ نزدیک آیا

عابد تھا

وہی عابد

چند روز قبل نسیم جس کی کار رات کے وقت ٹھیک کر چکا تھا۔

وہ آتے ہی بولا۔

یار تم وعدہ کرنے کے باوجود ملنے نہیں آئے۔ پندرہ بیس دن گزر گئے

تو ہر روز تمہارا انتظار کرتا رہا بہت کھوٹ دکھائی دیتے ہو۔

نسیم دھیمے سے مسکرا دیا

کیا بتاؤں جی! بس وقت ہی نہیں ملا۔

اچھا ابھی کہاں جا رہے ہو؟

گھر

اور وہ تمہاری ٹیکسی کیا ہوئی

وہ تو میں پانچ بجے کے بعد چلاتا ہوں اور وہ بھی ایک دن چھوڑ کر

کیوں؟

ٹیکسی دراصل میرے ایک دوست کی ہے پچھلے ٹائم وہ کالج جاتا

لیے ٹیکسی ایک دن میں اور ایک دن میرا ایک دوست چلاتا ہے آج میر

کی باری ہے اس لیے ذرا فارغ ہوں

تو پھر باقی وقت میں کیا کرتے ہو

موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہوں

عابد ادھر اُدھر کی سڑکوں پر چلاتا جا رہا تھا۔ راستے میں اچانک ہی اسے کوئی بات سوجھی اور نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک بات پوچھوں نسیم!

ضرور پوچھو وہ بھی بے تکلفی پر اتر آ

کچھ پڑھے لکھے بھی ہو۔

ہاں

عابد کی آنکھیں خبر نہیں کیوں چمک اٹھیں

کیا ہو؟

بی اے ہوں

او بہت خوب اس نے نسیم کے کندھے پہ ہاتھ مارا۔ پھر تو میرا بھی کام بن گیا اور تمہارا بھی

وہ کیسے؟

مجھے ایک سیکرٹری کی ضرورت ہے اور تمہیں سروس کی۔ یوں دونوں ایک جیسے محتاج ہیں۔ تم آج سے ورکشاپ میں کام کرنا اور ٹیکسی چلانا چھوڑ دو کل سے تم میرے ہاں آنا شروع کرو۔ میں تمہیں سب دفتری کام سمجھا دوں گا۔ ویسے کام بھی کوئی خاص نہ ہو گا۔ سیکرٹری سے زیادہ میں تمہیں بھائی بنا کر رکھوں گا کیونکہ میرا کوئی بھائی نہیں ہاں ہر وقت ذرا میرے ساتھ رہنا ہو گا۔ اُمید ہے تم اس پابندی کو محسوس نہ کرو گے۔ رہا سوال تنخواہ کا تو ایک ہزار روپیہ ماہانہ دوں گا۔

نسیم نے سنجیدگی سے کہا
پہلے اپنے گھر کے افراد سے مشورہ کر لو۔ پھر کوئی آخری فیصلہ کرو۔ ایسا نہ ہو میری یہ سروس بھی چھوٹ جائے اور آپ کے ہاں بھی کام نہ ملے۔
بھئی کسی سے پوچھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ہم گھر کے صرف دو ہی فرد ہیں میں اور میری بیوی۔ ہمارے تو ابھی بچے بھی نہیں اور نہ ہی بیوی نے کبھی میرے کاروباری فیصلوں میں دخل اندازی کی ہے۔ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تم میرے ہاں ملازموں کی طرح نہیں، بھائی بن کر رہو گے سچ کہتا ہوں تمہاری صحبت میرے لیے کافی حد تک سکون بخش ہو گی۔
اگر یہ بات ہے تو مجھے منظور ہے۔
چلو شکر ہے تم نے ہاں کی ہے۔
اچھا یہ لو
اس نے بریف کیس سے ایک ہزار روپیہ نکال کر اس کی گود میں پھینک دیا۔ ایک ماہ کی پیشگی
تنخواہ۔ تاکہ تم کل سے میرے ہاں آنا کہیں بھول ہی نہ جاؤ
اس کی کیا ضرورت ہے
بس اب اعتراض نہ کرو
نسیم چپ ہو گیا پھر گھر بھی قریب آ گیا تھا۔ کار رکوا کر وہ اترنے پڑا
آؤ پھر چائے تو پی کر جانا
نہیں چلتا ہوں صبح گھر سے نکلا ہوا ہوں۔
اس نے کار اسٹارٹ کر دی
کل ضرور آنا
نسیم نے جواب میں ہاتھ ہلایا
ضرور آؤں گا۔
خوش و خرم سا نسیم حویلی میں داخل ہوا۔ ناہید اس کا دھاری دار پاجامہ دھو کر لٹکا رہی تھی عقیل اور شازیہ صحن میں کھیل رہے تھے۔ نسیم نے تسکینا ناہید سے کہا۔
ہر وقت کپڑوں پر ہاتھ پٹختی رہتی ہو بھابی دھوبی کو دے دیتے ہوئے
ناہید ڈھ پٹخے کے پلو سے ہاتھ پونچھنے لگی
دو ہی تو کپڑے تھے۔ دھو ڈالے ہیں
نسیم یونہی مسکرائے جا رہا تھا
ہاتھ ذرا اچھی طرح پونچھو بھابی
کوئی خاص بات ہے کیا؟
ہاں
اس نے ہزار روپیہ اس کی طرف بڑھا دیا
یہ لیجیے
ناہید حیرت اور استعجاب سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
مجھے ایک اچھی جگہ نوکری مل گئی ہے بھابی۔ ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ہو گی پورا ایک ہزار روپیہ اور یہ ایک تنخواہ پیشگی مل گئی ہے۔

ناہید کھل اٹھی

سچ نسیم!

جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے بھابی

شکر ہے خدا کا وہ نوٹ اس کے سر پر وار نے لگی

اب ایک کام کرو بھابی

کیا؟

آج سے تم کوئی کام نہیں کیا کرو گی

کیوں؟

بس کہہ جو دیا۔ تمیزن بوا کو اپنے ہاں ملازم رکھ لو ایک تو وہ بچاری بوڑھی بیوہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جائیں گی پھر کھانا پکانے کے علاوہ گھر کا چھوٹا موٹا کام بھی کر لیا کرے گی۔ کھانے کے علاوہ آپ اسے ساٹھ ستر روپے ماہ بھی دے دیا کرنا

ناہید سوچ میں پڑ گئی

کیا سوچ رہی ہو بھابی جاؤ پکڑ لاؤ تمیزن بوا کو

لے آؤں گی اتنی کیا جلدی ہے

نہیں تم ابھی جا کر لے آؤ اسے

ناہید نے اس کا بازو پکڑ لیا

تم چلو پہلے لباس تو تبدیل کرو۔ میں تھوڑی دیر تک جا کر لے آتی ہوں پھر وہ دن رات یہیں رہا کرے گی۔

ہاں ٹھیک ہے بھابی بچاری غریب ہے دعائیں دے گی

بھئی لے آتی ہوں۔ تم فکرمند نہ ہو مجھے خود اس کا احساس ہے۔

نسیم اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا پھر بولا۔

بھابی!

جی!

صبح پہن کر جانے کے لیے میرا کوئی اچھا سا سوٹ نکال کر پریس کر دینا

کتنے بجے جاؤ گے؟

کوئی آٹھ بجے تو چلا ہی جاؤں گا

اچھا کھانے کے بعد کرتی ہوں

جس وقت مرضی کیجیے بہر حال صبح تک مل جائے۔

نسیم اپنے کمرے میں چلا گیا

ناہید دائیں طرف مڑ کر عقیل سے مخاطب ہوئی۔

عقیل!

وہ اٹھ کر بھاگتا ہوا آیا

جی امی جان!

بھاگ کر جاؤ بیٹا! تمیزن بوا کو بلا لاؤ

عقیل باہر چل دیا۔

تمانہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔

ناہید نے پیچھے سے پھر پکارا

کہنا میرے امی بلا رہی ہے۔ جلدی آؤ
عقیل شانہ یہ کے ساتھ باہر بھاگ نکلا

جی بہت اچھا

تمیزن بوا کو مستقل ملازم رکھ لیا گیا۔ ناہید نے کھانے اور کپڑے کے علاوہ اس کے ساتھ روپے تنخواہ بھی مقرر کر دی۔ شام تک تمیزن بوا اپنا مختصر سا سامان لے کر وہیں آگئی اور باورچی خانے کے ساتھ والے کمرے میں جم گئی۔ شام کا کھانا بھی اسی نے آکر پکایا تھا۔

اس رات

ناہید بہت ہی پرسکون تھی بھائی کو دیکھ کی سروس جو مل گئی تھی۔

نسیم بے حد خوش تھا۔

عقیل اور شانہ یہ مسکرا رہے تھے۔

تمیزن بوا اپنی جگہ مطمئن تھی۔ بے گھر زندگی بسر کرنے کو جگہ جو مل گئی تھی۔

دوسرے روز تمیزن بوا نے سویرے سویرے ناشتہ تیار کر دیا۔ نسیم نے [illegible] کی تو ناہید اسے تیار کرنے میں محو ہو گئی۔ آج وہ بڑی چاہت سے اس کی [illegible] کر رہی تھی۔ کئی بار اس کے بیر سٹائل میں نقص نکال کر اس کے بال [illegible] کی۔ آخر کار آج ناہید نے خود کو سنوار کر نسیم قد آدم [illegible] کے سامنے کھڑا ہوا کچھ دیر بڑی تحسین سے اپنے آپ کو دیکھا۔ آج اس [illegible] ہوا تھا۔

ناہید کی طرف مڑا

بس ٹھیک ہے بھابی؟ میں اب جاؤں؟

ناہید کی آنکھوں میں بہن کا عمیق پیار چھلک رہا تھا۔

ہاں جاؤ سڑک سے کوئی ٹانگہ ٹیکسی پکڑ لینا

نسیم جب کمرے کے دروازے کے پاس پہنچا تو ناہید رقت آمیز آواز میں بولی۔

خدا نظر بد سے بچائے۔

نسیم کو بھی شرارت سوجھی

دعا کی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر دھیرے سے کہا۔

آمین!

ناہید مسکرا دی

نسیم بھی ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

۲۱

ٹرن ٹرن

اس نے گیٹ پر لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا پھر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور گیٹ پر لگی ہوئی کسی کے نام کی پلیٹ غور سے دیکھنے لگا۔

پیتل کے حروف میں لکھا تھا

مسٹر سعید عابد

وہ کچھ سوچنے لگا

لیکن

خیالات کا سلسلہ بہت جلد ٹوٹ گیا

مالی نے گیٹ کھولا

کیا آپ کا نام نسیم ہے

ہاں ہاں۔ وہ فوراً اس کی طرف پلٹا

آئیے۔ صاحب صبح سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

نسیم اندر داخل ہوا۔ عابد لان میں بیٹھا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا۔ سامنے میز پر چائے کی دو خالی پیالیاں اور قریب ہی ایک کرسی بھی پڑی تھی۔ شاید وہاں سے ابھی کوئی اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔

عابد بڑے تپاک سے ملا

اخبار پھینک کر وہ نسیم سے لپٹ گیا

بہت خوب بھئی اب اپنے اصلی روپ میں نظر آ رہے ہو نا۔ وہ بغور اس کے سراپا کو دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے

جلد ہی ملازمہ چائے کی ٹرالی وہاں کھینچ لائی

چائے کا دور پھر چلنے لگا

عابد نے ایک گہری چسکی لیتے ہوئے کہا۔

میں نے بیگم سے ابھی ابھی تم سے ملاقات کی پوری سرگزشت سنائی ہے جونہی اس نے گھنٹی دی وہ اٹھ کر اندر چلی گئی ہے۔ دراصل تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ غیر مردوں کے سامنے کھل کر بیٹھنا اچھا نہیں سمجھتی آج کل کے دور میں تو بیگم کو کام میں ساتھ ساتھ ہونی چاہیے۔ مگر وہ ہے کہ میرے ساتھ گھومنے تک کو نہیں جاتی۔ کافی سمجھاتا ہوں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات

عابد نے چائے کی خالی پیالی ایک طرف رکھ دی۔

میرا خیال ہے چلو پہلے تمہیں اپنی فیکٹری پھرا لاؤں۔ ساتھ ہی منیجر اور دوسرے

پچیدہ چیدہ آدمیوں سے تمہاری ملاقات بھی ہو جائیگی

نسیم اٹھ کھڑا ہوا۔

چلو چلیں

عابد بھی کھڑا ہو گیا

ارے ٹھہرو۔ آؤ پہلے بیگم سے تو تمہارا تعارف کرا دوں۔ کیا معلوم میری غیر حاضری میں کبھی تم یہاں آؤ تو وہ تمہیں اندر ہی نہ گھسنے دے

عابد ایک کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

نسیم اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا

لیکن جونہی وہ عابد کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ چکرا گیا

اس کے حواس باختہ سے ہو گئے

اس کا جی چاہا بھاگ جائے یہاں سے۔ بہت دور جہاں زندگی کا کوئی نشان نہ ہو۔

سامنے کمرے کے وسط میں زوبی اس کی طرف منہ کئے کرسی پر بیٹھی تھی۔

نسیم کو دیکھتے ہی دہشت زدہ سی ہو کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

عابد نے تعارف کرایا

میری بیگم زوبی

اور زوبی

یہ ہیں میرے سیکرٹری مسٹر نسیم آج کے بعد یہ یہیں رہا کریں گے۔

نسیم نے چونک کر کہا۔

آداب!

زوبی نے دھیرے سے جواب دیا

آداب

زوبی کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی

رنگ پیلا پڑ گیا

درد دیوار گھومتے دکھائی دیئے

یوں

یوں محسوس ہوا

جیسے

جیسے وقت رک گیا ہو

فضائیں ساکن ہو گئی ہو

اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔

پورا بدن لرزش زدہ سا ہو گیا۔

عابد اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

نسیم نے ندامت کے باعث سر جھکا لیا

اس کا جی چاہ رہا تھا اس سروس سے انکار کر دے

جاگ جائے یہاں سے

دور

بہت دور

جہاں غمِ حیات نہ ہو۔ سماج کے دکھوں کی دیوار نہ ہو
بس سکون ہی سکون ہو
لیکن
ایسا کیونکر ہو سکتا تھا
وہ تو ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ بھی لے چکا تھا
اب تو انکار ناممکن تھا
خاموشی کے ساتھ وہ سر جھکائے رہا۔
عابد کچھ بھی نہ سمجھ سکا
دونوں کے مابین تعلقات سے بے خبر تھا نا
اچانک زوبی وہم سے کرسی پر گر سی گئی
عابد بیتاب ہو کر آگے بڑھا
زوبی پر جھکا
پھر اس کا ہاتھ سہلانے لگا
کیا ہوا زوبی
زوبی نے آنکھیں موندھ رکھی تھیں اس کی آواز جیسے کہیں بہت دور سے آتی ہوئی۔
کچھ بھی نہیں باہر سے اُٹھ کر آنے کے بعد طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ بس۔
بس ٹھیک ہو جاؤں گی۔
نسیم ایک مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

جیسے
جیسے اس نے کسی کا قتل کر دیا ہو
زوبی نے سنبھل کر آنکھیں کھول دیں
عابد ابھی تک اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا
مگر اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا
چھوڑ دیجیے میں اب ٹھیک ہوں
کیا ہو گیا زوبی تمہیں۔ عابد نے پیار سے پوچھا
کچھ نہیں اچانک چکر سا آ گیا تھا۔ اب ٹھیک ہوں
عابد اس بار نسیم کی طرف دیکھ کر بولا۔
بیٹھ جاؤ نسیم تم کیوں کھڑے ہو
نیم خالی کرسی پر بیٹھ گیا عابد بھی اُٹھ کر علیحدہ ہو بیٹھا
زوبی نے کنکھیوں سے پہلے نسیم کو دیکھا پھر پل بھر کے لیے عابد کو دیکھنے کے بعد
اس نے نگاہیں کچھ اس انداز سے جھکا لیں۔ جیسے وہ دونوں کا موازنہ کر رہی ہو
لیکن
کہاں نسیم اور کہاں عابد۔ نسیم کی عمر تو بمشکل چوبیس پچیس کے لگ بھگ تھی بھرا
ہوا ورزشی جسم۔ پرکشش سرخی میں ڈوبا ہوا بے حد حسین چہرہ الجھے سلجھے
بال اور پھر آج تو وہ سیاہ رنگ کے قیمتی سوٹ میں کچھ اس طرح نکھر سا گیا تھا۔
جیسے
شفاف اور ٹھہرے پانی کی گہری جھیل کی پرسکون سطح پر سفید سفید کنول کھڑا مسکرا

رہا ہو
مگر

عابد ؟

وہ تو پنتالیس کو بھی تجاوز کر چکا تھا۔ پیلا سا چہرہ۔ منہ پر لہراتی ہوئی ملیم ناک۔ شراب پینا اس کا دن رات کا شغل تھا۔ ویسے بھی عورتوں کے معاملہ میں سکول مزاج واقع ہوا تھا۔ زوبی کی موجودگی کے باوجود وہ دوسری کئی عورتوں سے بھی تعلق رکھے ہوئے تھا۔ عمر میں تو وہ نسیم کے باپ کی جگہ محسوس ہو رہا تھا۔

زوبی سنبھل کر بیٹھ گئی۔

شاید دل میں ناچتا ہوا چور وہ کسی کے سامنے عیاں نہ کرنا چاہتی تھی۔

عابد اس کو سنبھلتے دیکھ کر خوش ہو گیا

زوبی! نسیم اب یہیں رہا کرے گا۔ ایک تو گھر میں اس کی موجودگی سے رونق رہے گی دوسرے کاروبار کی دیکھ بھال تسلی بخش طریقے سے کر سکے گا۔

زوبی نے غور سے نگاہیں جھکائے ہوئے نسیم کی طرف دیکھا

ٹھیک ہے

تو پھر اُٹھ کر خود ہی اسے اس کا کمرہ دکھا دو

زوبی اُٹھ کھڑی ہوئی اور نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

چلئے

عابد فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ گیا مگر نسیم نے بیٹھے ہی بیٹھے کہا۔

اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کون سا دور جانا ہوتا ہے۔ میرا گھر نزدیک ہی

ہے۔ روز آجاؤں گا اور چلا جایا کروں گا

عابد نے اس کا بازو پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

چلو بھائی اٹھو نا۔ کمرہ تو دیکھ لو نا۔ کبھی یہاں رہ لیا کرنا کبھی گھر چلے جایا کرنا ویسے بھی میں اکثر کئی کئی دن اور راتیں کاروبار کے سلسلے میں باہر رہتا ہوں۔ اس صورت میں یہیں رہ کر گھر اور فیکٹری کی اچھی طرح دیکھ بھال تو کر سکو گے نا۔ چلو دیکھ لو پھر کمرہ۔ اور آج ہی اپنا کچھ مختصر سا سامان لا کر بھی اپنے کمرے میں رکھ دو۔ چلو

تینوں اُٹھ کر باہر آئے۔ زوبی کے کمرے کے دائیں طرف عابد کا کمرہ تھا لہٰذا وہ بائیں طرف سیڑھی اور اپنے کمرے کے ساتھ والے کمرہ میں داخل ہوتی ہوئی نسیم کی طرف دیکھ بولی۔

یہ رہا آپ کا کمرہ۔ میں ابھی ملازموں سے اسے ٹھیک کرائے دیتی ہوں

ہاں ہاں ٹھیک ہے عابد بولا۔

زوبی تم نسیم کا کمرہ ٹھیک کراؤ میں اتنی دیر تک اسے فیکٹری گھما لاتا ہوں

زوبی نے کوئی جواب نہ دیا

شاید

وہ چاہ رہی تھی کہ نسیم اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر کہیں نہ جائے

عابد بے تکلفانہ انداز میں نسیم کا ہاتھ تھام کر پورچ کی طرف لے گیا۔ زوبی برابر دیکھے جا رہی تھی۔ جب کار گیٹ سے باہر نکلی تو وہ بے سدھ سی ہو کر اپنے کمرے کی

دوپہر سے پہلے ہی عابد نسیم کو ساتھ لے کر واپس آگیا۔ اتنی دیر تک زوبی نے اس کا کمرہ خوب محنت سے سنوار دیا تھا کمرے کے وسط سے ذرا ہٹ کر بڑے سے پلنگ پر قیمتی بستر سیٹ بچھا تھا۔ قریب ہی تپائیاں۔ میز ذرا ہٹ کر دو صوفہ سیٹ جن کے سامنے ایک گول میز کے گرد چند کرسیاں اور پلنگ کے سرہانے کتابوں سے بھرا ہوا بک شیلف رکھی تھی۔ دروازے اور کھڑکیوں کے پردے بدل کر نئے لگا دیئے گئے تھے غرض کمرہ دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا اس قدر اہتمام کرتے وقت زوبی شاید یہ بھول گئی تھی کہ نسیم اب اس کے لیے غیر ہے

دوپہر کا کھانا نسیم زوبی اور عابد تینوں نے اکٹھے کھایا۔ شام سے قبل ہی نسیم کار میں جا کر گھر سے اپنا اٹیچی اور کچھ مختصر سا سامان اٹھا لایا۔ عابد نے وہ رات اسے وہیں گزارنے کا وعدہ لے لیا تھا شام کھانے کے بعد کافی دیر تک تینوں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ نسیم پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اس نے دیکھا کہ زوبی اپنے کمرے میں چلی گئی ہے عابد اپنے میں۔ پھر زوبی اپنے کمرے سے نکلی اور عابد کے کمرے کی باہر سے کنڈی لگا دی۔ نسیم برآمدے میں آکھڑا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ عابد اپنے بند کمرے میں خوب شراب پی رہا تھا۔

خوش گپ اور قہقہوں کی کھنکھناہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔

پھر جب وہ اپنے کمرے میں آیا تو زوبی کے کمرے میں کھلنے والے درمیانی دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کوئی آواز غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا زوبی اندر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

وہ سوچنے لگا۔

کیوں رو رہی ہے؟

عابد اس قدر شراب کیوں پیتا ہے؟

کیا زوبی اپنی زندگی میں خوش نہیں؟

لیکن

اس نے اپنے سر کو جھٹک دیا

مگر

مگر مجھے زوبی کے غم اور خوشی سے کیا واسطہ

وہ اپنے پلنگ پر آیا اور چادر کھینچ کر سو گیا

دوسرے روز علی الصبح نسیم تنہا دھوکر لان میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ ملازمہ اللہ دے قریب آکر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔

چھوٹے صاحب! بیگم صاحبہ ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ چلئے ناشتہ کیجئے

اٹھ کر

نسیم نے اخبار میز پر رکھ دیا

تمہارے صاحب اٹھ گئے کیا؟

جی نہیں وہ تو دس بجے تک نہیں اٹھیں گے

کیوں؟

شراب جو پیتے ہیں

لیکن کیوں پیتے ہیں؟

یہ تو پتہ نہیں لیکن بہت پیتے ہیں۔

نسیم خاموشی سے کچھ سوچنے لگا

ملازمہ پھر بولی

آپ تو شراب نہیں پیتے نا چھوٹے صاحب؟

نہیں بڑی بی نہیں پیتا اللہ میاں بچائے اس بدعادت سے

بہت اچھا کرتے ہیں صاحب

لیکن

لیکن بڑے صاحب تو بہت پیتے ہیں۔ بہت زیادہ۔ ہر وقت غیر عورتوں کے ساتھ بھی گھومتے رہتے ہیں

بیگم صاحبہ بچاری اچھی شریف اور نیک ہیں جو ان کے ساتھ تباہ کر رہی ہیں ورنہ صاحب کے شب و روز میں تو سیاہی ہی سیاہی ہے۔

پھر اس نے خود ہی موضوع بدل دیا۔

میں پاگل بھی کن باتوں میں پڑ گئی چلیے اٹھئے آپ ناشتہ کیجیے اٹھ کر بیگم صاحبہ انتظار کر رہی ہوں گی۔

نہیں بڑی بی میں وہاں نہیں جاؤں گا تم میرا ناشتہ میرے کمرے میں پہنچا دو وہیں کر لوں گا ملازمہ جب واپس زوبی کے پاس گئی تو اس نے بیتابی سے پوچھا

صاحب آئے؟

جی نہیں وہ کہتے ہیں ناشتہ میں اپنے کمرے میں کروں گا۔

زوبی کو بہت دکھ ہوا۔

کیوں؟

پتہ نہیں۔ شاید آپ کے ساتھ اکیلے بیٹھنا پسند نہ کرتے ہوں۔ بہت اچھے اور معصوم ہیں مالکن! کسی اچھے خاندان سے معلوم ہوتے ہیں۔

زوبی نے جیسے ملازموں میں کوئی کھوئی چیز تلاش کرتے ہوئے کہا۔

ہاں اچھے ہیں بہت اچھے

پھر ان کا ناشتہ لے جاؤں وہیں

ہاں ہاں لے جاؤ

ملازمہ ناشتہ کی ٹرے اٹھا کر لے گئی تو زوبی بھی ناشتہ کیے بغیر اٹھ گئی۔

شاید

نسیم کے رویے سے اسے سخت صدمہ پہنچا تھا جو اس نے ناشتہ تک نہ کیا۔

ڈائننگ روم سے نکل کر برآمدے میں سے گزرتے ہوئے اس نے نسیم کے کمرہ میں دیکھا وہ گول میز پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ زوبی تھکی تھکی سی چال سے آگے نکل گئی اور پھر چہل قدمی کرنے پائیں باغ میں گھس گئی:۔

۲۲

زوبی کا خیال تھا کہ نسیم اس کے ساتھ رہتے ہوئے فری ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا وہ اس سے کھچا کھچا سا رہتا۔ بات تک کرنا گوارا نہ کرتا۔ اس کے سامنے سے آتے ہوئے راستہ چھوڑ جاتا۔ عابد نے بھی اس کا رویہ دیکھا۔ لیکن اس نے اسے پاس ادب اور لحاظِ شرافت پر محمول کیا نسیم اس کی نگاہوں میں اور عظیم ہو گیا مگر زوبی ہر وقت سلگتی رہتی۔ کئی بار اس نے نسیم کو مخاطب کرنے میں پہل کی لیکن وہ تو شاید اس کی بات پر دھیان نہ دینے کی گویا قسم کھا چکا تھا۔

اس رویے نے زوبی پر گہرا اثر کیا وہ ہر وقت اداس اور افسردہ افسردہ سی رہنے لگی اس پر نسیم نے ایک اور چرکہ لگانا شروع کر دیا وہ اب زیادہ تر اپنے گھر چلا جایا کرتا۔ ان کے ہاں کم و بیش ہی رات گزارتا۔ ان حالات میں زوبی

کڑھتی نہ تو اور کیا کرتی

عابد نے بھی زوبی کی اداسی کو محسوس کیا لیکن اس کی وجہ اور پس منظر نہ جان سکا کئی بار اس نے ڈاکٹر سے مشورہ بھی کیا۔ مگر زوبی کی تنہائی اور اداسی تھی کہ بڑھتی ہی چلی گئی۔

اس روز تو عابد کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ نسیم گھاس کے پلاٹ پر یونہی لیٹا ہوا تھا۔ زوبی برآمدے میں بیٹھی اسے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھی کہ عابد کی کار اندر داخل ہوئی نیچے اتر کر وہ زوبی کی طرف بڑھا اور قریب ہو کر پوچھا۔

نسیم کہاں ہے؟

زوبی نے ہاتھ سے اشارہ کیا

وہ لیٹے ہوئے ہیں

عابد اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا

بہت شرمیلا ہے جہاں چند آدمی بیٹھے ہوں وہاں تو ٹکتا ہی نہیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس قدر تنہائی پسند کیوں ہے۔

میرا تو جی چاہتا ہے ہر وقت اس سے باتیں کرتا رہوں مگر وہ ہے کہ بس چپ کی چپ

اور پھر زور سے پکارا

نسیم! ادھر آؤ بھائی بات تو سنو

نسیم آ کر ان کے پاس کھڑا ہو گیا

عابد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

تم آج تیاری کرو کل ہم باہر جائیں گے

کہاں

میں نے پکنک پوائنٹ پر چند دنوں کے لیے ایک ہٹ کرائے پہ لے لیا ہے کچھ دن تفریح کے طور پہ ہم تینوں وہاں رہیں گے۔ زوبی بھی یہاں پڑھی بڑی بور ہوتی رہتی ہے۔ کھلی فضا میں ایک تو اس کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ دوسرے اس کی طبیعت بھی کچھ نہ کچھ سنبھل جائیں گی۔

نسیم نے بے اعتنائی سے کہا

آپ دونوں ہو آئیے میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟

زوبی نے اسے گہری شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھا جیسے یہ بات اسے شاق گزری ہو۔ عابد نے بھی اس کا شانہ جھنجھوڑ کر احتجاج کیا

تم اپنے آپ کو ہم سے جدا کیوں سمجھتے ہو۔ مجھے نہیں پتہ بس تیاری کرو۔ کل تمہیں ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔

عابد اپنے کمرے میں چلا گیا

نسیم ابھی تک وہیں کھڑا تھا

زوبی کا جی چاہ رہا تھا کہ نسیم ہمیشہ اس طرح کے پاس کھڑا ہے اور باتیں کرتا جائے مگر وہ فوراً پلٹا اور اپنے کمرے میں چلا گیا

دوسرے روز دس بجے کے قریب تینوں پکنک پوائنٹ پر پہنچ گئے بڑے سے کمرے میں تین چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ زوبی نے بستر لگائے اور فرنیچر کی جھاڑ پھونک کرنے لگی۔

وہ مسرور تھی۔ خوش تھی

بے حد خوش

شاید

نسیم کے تقرب کے باعث

وہ جھوم جھوم کر کام کرتی جا رہی تھی

عابد کوئی کتاب اندر بیٹھ کر پڑھنے لگا

نسیم کرسی اٹھا کر باہر دریا کے کنارے بند پہ بیٹھ کر ادھر اُدھر کے مناظر سے لطف اندوز ہونے لگا۔

دریا اس طرف اور اس پار ماہی گروں کی گنجان بستیاں تھیں جن میں ہندو بھی ہے اور مسلمان بھی۔ دریا میں کئی چھوٹی چھوٹی اور کچھ بڑی بادبانی کشتیاں تیر رہی تھیں جن میں ماہی گیر بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

اس کے دائیں طرف دریا کے قریب ہی جوہڑ میں دیہاتی لڑکے بھینسوں کو نہلا رہے تھے اور خود بھی نہا رہے تھے۔

آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھائے تھے۔

ساون کی رات جو تھی

مینڈک ٹرا رہے تھے۔

دور کہیں

پپیہا پی پی پکار رہا تھا۔

شاید

بادل گر گر آ رہے تھے اس لیے وہ مچل مچل رہا تھا۔
بیلوں کی جوڑیاں کسان اِدھر اُدھر لے جا رہے تھے۔
بھینسیں دھکار رہی تھیں
اونٹ بلبلا رہے تھے۔
کو کو
دور۔ آم اور پیپل کے جنڈ میں کوئل کو پکار رہی تھی۔ مستی بھری آواز میں چہک چہک کر
برسات کی رنگین فضاؤں میں مگن
ادھر اُدھر پھدک رہی تھی۔
سرور میں بے خود
یہی تو اس کی جوان امنگوں کے پورے ہونے کے دن تھے۔
دریا کنارو ں تک بہہ رہا تھا
ہلکی ہلکی لہریں مچل رہی تھیں۔
اور تڑپ تڑپ کر ایک دوسری کو چوم رہی تھی
یکایک نسیم ارد گرد کو بھول کر دریا کی سمت دیکھنے لگا۔ اس کے نزدیک ہی ایک بادبانی کشتی لہروں پر ہلکورے لے رہی تھی اور اس میں سوار جوان ماہی گیر لڑکیاں مچھلیاں پکڑنے کے ساتھ مدھر بھری آواز میں رسیلے نغمے بھی گا رہی تھیں۔
کسی اھڑ دوشیزہ کی آواز سنائی دی
کریں پنیا کی موجیں پکار۔۔۔۔۔۔ ہو

دوسری نے مستی سے جواب دیا
ناچ رے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ایک تیسری کو کی
ناچو رے ناچو رے۔۔۔۔۔۔۔۔
چوتھی نے بھی فتنہ بپا کیا
لہر لہر ناچو رے۔۔۔۔۔۔۔۔
پہلے والی پھر جھوم گئی
کریں پنیائی موجیں پکار ہو۔۔۔۔۔
وہ جال پھینک رہی تھیں
اور کھینچ رہی تھیں
جھوم رہی تھیں
اور
گا رہی تھیں
نیم ان کی امنگ بھری اور مستی میں رچی ہوئی آوازوں میں کھو سا گیا
وہ انہیں دیکھے جا رہا تھا
یوں ہی
بس
لیکن جب ہلکی ہلکی پھوار کرنے لگی تو لڑکیاں کشتی کھیلتی ہوئی دریا کے اس پار لے گئیں۔

وہ بھی اُٹھ کر اندر آگیا
اس رات خوب بارش ہوئی
بجلی کڑک رہی تھی
بادل گرج رہے تھے
آسمان سے مینہ کے جیسے پرنالے چھوٹ گئے ہوں
باہر موسلا دھار بارش کے باعث دھند ہی دھند تھی۔
ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہوئی پھنکار رہی تھیں
لیکن
زوبی خوش تھی
نیم آج اس کے بالکل قریب جو سویا ہوا تھا۔
اس کا اپنا نسیم
جیسے وہ اب بھی بے تحاشا چاہے جا رہی تھی۔
دوسرے دن بارش تھم گئی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ نالے پانی سے بھر بھر کر بہ رہے تھے۔ آسمان پر اب بھی گہرے گہرے بادل لہرا رہے تھے۔ موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے نیم، زوبی اور عابد دریا کے کنارے بند کے اوپر اُو سڑک پر گھومنے نکل گئے۔
تینوں کوئی فرلانگ بھر گئے تھے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر دریا کی طرف دیکھنے ماہی گیروں کی نوجوان لڑکی دریا کے عین وسط میں ایک چھوٹی سی کشتی کھیتی ہوئی پار خانے کی کوشش کر رہی تھی مگر دریا طغیانی پر تھا۔ جس کے باعث کشتی ڈگمگا

ڈگمگا کر دریائے کے بہاؤ پر بہتے جا رہی تھی۔ لڑکی لاکھ جتن کر رہی تھی کشتی کو سنبھالنے کا مگر اچانک پانی کی طاقتور لہر نے کشتی کو الٹ دیا اور لڑکی دریا میں گر گئی
نیم بے چین ہو گیا اور دریا کے بہاؤ پر بھاگنے لگا
عابد زور سے چلایا
کیا کرنے گئے ہو نیم؟
نیم نے ایک نہ سنی اب وہ بند سے اتر کر دریا کی سمت بڑھ رہا تھا۔
زوبی بدحواس ہو گئی
عابد کی پرواہ کئے بغیر وہ پوری آواز سے چلائی
نیم! دریا میں مت کودنا۔ طغیانی زوروں پر ہے۔
لیکن
نیم ایک لمبی جست کے ساتھ دریا میں کود گیا۔ دوسرے کنارے پر ملاحوں کی بستی کے بہت سے لوگ آ کھڑے ہوئے تھے اور کئی ماہر تیراک لڑکی کو بچانے کی خاطر دریا میں کود گئے۔ لڑکی تیراک معلوم ہوتی تھی وہ پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ نیم بڑی تیزی سے پانی کو چیر کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
جلد ہی لڑکی کی ہمت جواب دے گئی اور وہ پانی میں ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زندگی اب صرف چند لمحے ہی ہے دوسری طرف سے کودنے والے ملاحوں کا رخ پانی کی تیز دھار نے موڑ دیا تھا اور وہ لڑکی سے بہت دور نکل چکے تھے۔
نیم کے بازو گو شل ہوتے جا رہے تھے مگر وہ بڑی تیزی کے ساتھ لڑکی

سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر کھڑے لوگ ڈھول بجا بجا کر اس کی ہمت بندھا رہے تھے۔ کنارے پر کھڑی زوبی کا دل جیسے جسم سے باہر نکلا جا رہا تھا وہ آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کیے نسیم کو دیکھے جا رہی تھی عابد بھی پریشانی کے عالم میں کھڑا نسیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکی اب مکمل بے جان سی ہو چکی تھی اس نے ہاتھ پاؤں ہلانا بند کر کے اپنے آپ کو دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا مگر عین اس وقت جب کہ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں ڈوبتی جا رہی تھی نسیم نے اس کا بازو پکڑا لڑکی نے ایک بار اپنی موٹی موٹی حسین آنکھیں نسیم کے چہرہ پر مرکوز کیں پھر جانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی کہ وہ بری طرح نسیم سے لپٹ گئی

وہ سترہ اٹھارہ برس کی بے حد حسین اور گداز جسم کی لڑکی تھی۔ نسیم بڑی مشکل سے اسے سنبھال رہا تھا۔ دریا کا دوسرا کنارہ اب قریب تھا مگر پانی کی تیز لہر جم توڑ رہی تھی۔ لوگ کنارے کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ نسیم پوری طاقت کے ساتھ لڑکی کو کنارے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ پانی کی تیز لہر کو نسیم نے کسی نہ کسی طرح کاٹ ہی لیا

اب پانی کا زور کم ہو چکا تھا۔ نسیم تھوڑا سا اور آگے بڑھا تو اس کے پاؤں زمین پر لگ گئے لیکن اس نے جب کھڑا ہونے کی کوشش کی تو چکرا کر لڑکی سمیت پانی میں گر گیا اس کے ہاتھ پاؤں تھکاوٹ کے باعث اینٹھ چکے تھے۔

کنارے پر کھڑے دو تین مرد فوراً پانی میں کود گئے اور دونوں کو سہارا دے کر کنارے پر لے آئے زمین پر پاؤں رکھتے ہی نسیم گیلی ریت پر نڈھال سا ہو کر گر گیا۔

لڑکی بھی کچھ تھکاوٹ اور کچھ خوف کے باعث بیٹھ کر بری طرح ہانپنے لگی تھی۔ کنارے پر کھڑے سب لوگ وہاں آ جمع ہوئے اور دونوں کو اٹھا کر بستی کی طرف لے گئے

زوبی ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ نسیم کو اٹھا کر جب وہ بستی کی طرف لے جا رہے تھے تو وہ بدحواس ہو کر بولی۔

ہمیں جلد از جلد ان کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔

عابد چونک پڑا

ہاں ہاں ضرور

پل یہاں سے کتنی دور ہو گا؟

دس میل تو ضرور ہو گا

تو پھر جلدی چلیے۔

دونوں ہٹ کی طرف بھاگنے لگے۔ بالکل بدحواس سے پاگلوں کی طرح

اندر داخل ہوتے ہی زوبی نے جلدی جلدی نسیم کے اینچی سے اس کے کپڑوں کا ایک جوڑا نکالا۔ عابد نے اتنی دیر تک کار سٹارٹ کی۔ زوبی بھی بھاگتی ہوئی اندر بیٹھی اور کار بڑی تیزی کے ساتھ پل کی طرف بڑھنے لگی۔ دریا عبور کر کے وہ کار کو پگڈنڈیوں میں بھگاتے ہوئے اس بستی جا پہنچے اور لوگوں سے پوچھ کر اس گھر میں داخل ہوئے جہاں نسیم کو رکھا گیا تھا

ایک عورت کی رہنمائی میں دونوں اس مکان کے ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں نسیم ایک کھردرے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور تین آدمی قریب بیٹھے اس کا جسم دبا رہے تھے۔ سامنے میز پر شیشے کے ایک برتن میں گرم گرم دودھ تھا جس میں سے ابھی تک

ہلکا ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا۔ ساتھ ہی ایک گلاس بھی پڑا تھا۔ شاید انہوں نے ابھی ابھی نسیم کو دودھ دیا تھا۔

عابد نے آگے بڑھ کر نسیم کا ہاتھ تھام لیا

کیسے ہو نسیم؟

وہ دونوں کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

ٹھیک ہوں

زوبی نے بھی ہمت سے کام لیا

طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا

زوبی کا جی چاہا یہیں زمین میں دھنس جائے۔

اس کا دل تو پہلے ہی نسیم کے غم میں خون کے آنسو بہا رہا تھا۔

اس پر

نسیم کی بے اعتنائی

توبہ اللہ

زوبی کا جسم دکھ اور غم میں پگھل گیا

اس کا دل چیخ اٹھا

کیا نسیم ہمیشہ کے لیے اسی طرح مجھ سے نفرت کرتا رہے گا۔

اس کا جی چاہا

عابد کا گلا گھونٹ کر ختم کر دے

اور نسیم سے لپٹ کر ہمیشہ کے لیے اس کی باہوں میں کھو جائے۔

نسیم اس کی حالت تاڑ گیا

جانے اسے زوبی پر کیوں ترس آنے لگا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا

ارد گرد بیٹھے آدمی جو اسے دبا رہے تھے اس کے کہنے پر اٹھ کر چلے گئے

اب اس کے پاس صرف زوبی اور عابد رہ گئے۔

یہ گھر تو کسی ہندو کا ہے۔ عابد کمرے میں پڑی ہوئی ایک مورتی کی طرف دیکھ کر بولا۔

ہاں۔ یہ اس گاؤں کے سردار کا گھر ہے نام تو اس کا موہن داس ہے مگر لوگ اسے ٹھاکر کہہ کر پکارتے ہیں۔ تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ میرے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔

اس لڑکی کا کیا نام ہے جسے تم نے

اس کا نام چاندی۔ ہے وہ اس ٹھاکر کی بیٹی ہے۔

زوبی ڈھیٹ بن کر پھر بول پڑی

گیلا لباس اٹھ کر اتار دیجیے نہ کام ہو جائے گا۔

عابد کی موجودگی کا احساس کر کے نسیم کو بولنا ہی پڑا

لیکن ——————

زوبی اتنے پر ہی خوش ہو گئی جھٹ سے اس کی بات کاٹ دی۔

آپ فکر نہ کیجیے میں آپ کے کپڑوں کا ایک جوڑا لے کر آتی ہوں لائیے۔

زوبی گاڑی سے اس کے کپڑے نکال لائی۔
عابد اور زوبی کمرے سے کچھ دیر کے لیے باہر نکل گئے اتنے میں نسیم نے لباس تبدیل کر لیا۔
زوبی نے اس کا گیلا لباس اٹھا لیا
نسیم کوئی اعتراض نہ کر سکا
زوبی نے لباس لے کر باہر پنجوڑا پھر کار یک رکھ آئی۔
وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔
نسیم نے اس کے ساتھ چند باتیں جو کر لی تھیں
وہ تھوڑی دیر بھی انتظار نہ کر سکی اور عابد کی طرف دیکھ کر کہا
میرا خیال ہے چلنا چاہیے
عابد نسیم کی طرف دیکھنے لگا
کیا خیال ہے؟
موہن داس سے اجازت لے لیں اور چلتے ہیں
عابد باہر صحن میں آیا اور پیپل کے پیڑ کے پاس کھڑے ایک شخص سے موہن داس کے بلانے کو کہا
کچھ ہی دیر بعد موہن چلم پیتا ہوا اندر آیا۔ نسیم نے اسے دیکھتے ہی کہا
ٹھاکر جی! اجازت دیجیے ہم اب چلتے ہیں۔
موہن نے ایک ملبا کش لے کر دھوئیں کا بادل اٹھ آیا
یہ کیسے ہو سکتا ہے بالو۔ آج تو میں نہ جانے دوں گا۔ چاندنی کی ماتا مر گئی ہے۔ اس لیے میں زیادہ دیر تمہارے پاس نہ بیٹھ سکا۔ مجھے اس کی ماں کا بھی پیار دینا پڑتا ہے نا۔ بڑی شوخ اور اکھڑ کنیا ہے بالو! لاکھ سمجھا دوں کہ شہر مت جایا کر مگر نہیں مانتی۔ مچھلیاں پکڑ کر بیچنے کا اسے اتنا شوق ہے کہ بس دیوانی ہوئی جاتی ہے آج بھی مچھلیاں لے کر شہر چلی گئی اور طغیانی کا کھوف کرکے بغیر کشتی دریا میں کھیل دی بالو! آج اس کا اگر کوئی بھائی ہوتا تو بستی کے لوگوں کی طرح کنارے کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے کے بجائے جان پر کھیل کر چاندنی کو بچاتا لیکن بھگوان نے ہمیں دیوتا کے روپ میں بھیج کر میری چاندنی کو بچا لیا۔
نسیم نے دکھ سے پوچھا!
آپ کا کوئی بیٹا نہیں!
موہن کا گلہ خشک ہو گیا
نہیں۔ صرف دو بیٹیاں ہیں چاندنی اور اس سے چھوٹی روپا۔ چاندنی اب ٹھیک ہو گئی ہے تمہارے لیے کھانا بنا رہی ہے ابھی آتی ہے۔ موہن آگے بڑھ کر ہیڑی پر بیٹھا۔
نسیم اٹھ کر کھڑا ہوا
ادھر بیٹھو ٹھاکر جی! چارپائی پر
نہیں میں کھاٹ پر نہ بیٹھوں
کیوں!
تم دیوتا ہو اور دیوتا کے ساتھ ہو بیٹھنا پاپ ہے۔
نسیم کچھ کہنا چاہتا تھا کہ روپا اندر آئی۔

موہن فوراً بھول اٹھا

بیٹا! ساتھ والے کمرہ میں بیگم صاحبہ اور بڑے صاحب کا بستر لگا دو۔ اور بالو کے پلنگ پر بھی بچھونا ڈال دو دیکھو تو کھڑے گھاٹ پر بیٹھے ہیں۔ جلدی کرو۔ اندھیرا ہو گیا ہے چراغ بتی بھی کر دو۔ اور ہاں چاندنی کیا کر رہی ہے اب؟ کھانا پکا رہی ہے بالو ابھی فارغ ہوئی جاتی ہے۔ اچھا اچھا تو جلدی اپنے کام سے فارغ ہو لے

عابد نے جواب دیا

ٹھاکر جی! ہم چلتے ہیں تکلیف نہ کریں

موہن بیتاب ہو گیا

بھگوان قسم میں تو نہ جانے دوں

لیکن دریا کے اس پرہٹ میں ہمارا سامان رکھا ہے۔ جلدی میں ہم تالا لگانا بھی بھول گئے۔

پھر کیا ہو سکتا ہے دریا تو ابھی تک طغیانی میں ہے ورنہ میں بستی کے جوان بھیج دیتا۔ وہاں جاکر سو رہتے۔ آپ اگر زیادہ ہی مجبور کرتے ہیں تو نسیم کو آج رات رکھ لیں صبح ہم انہیں لینے آجائیں گے خاص مجبوری ہو تو چلے جائیو صاحب۔ رک جاتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی

عابد کھڑا ہو گیا

نہیں ہم چلتے ہیں

زوبی ابھی تک بیٹھی تھی اس کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا کہ عابد کے ساتھ وا

ہائے

موہن پھر بولا

کھانا کھا کر جائیو صاحب! وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ میں ابھی بھجواتا ہوں کھانا

تھوڑی ہی دیر بعد موہن پھر لوٹا اور عابد کی طرف دیکھ کر کہا۔

آئین صاحب میرے ساتھ کھانا کھالیں

عابد اٹھ گیا

زوبی بھی کھڑی ہو گئی

موہن اس بار نسیم سے مخاطب ہوا

تم یہیں بیٹھو بالو۔ تمہیں تو یہیں رہنا ہے کھانا ہمارے ساتھ کھانا

نسیم بیٹھا رہا

زوبی کے تیوروں پر بل پڑ گئے اس کے دل کو سخت کچوکہ لگا

نسیم کو جو وہیں روک دیا گیا تھا

وہ تو اسے ساتھ لے جانے پر تلی ہوئی تھی۔ مگر عابد کی موجودگی میں کچھ بول نہ پا رہی تھی۔

ناچار

عابد موہن کے ساتھ باہر چل دیا۔

کھانے کے بعد نسیم سے مل کر زوبی اور عابد واپس چلے گئے۔

نسیم ابھی تک وہیں بیٹھا تھا کہ روپا اندر داخل ہوئی۔

دیدی آپ کو بلا رہی ہے بھیا!

کیوں؟

روپا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

آپ باہر تو آئیے۔

نیم جھجکتا جھجکتا اس کے ساتھ باہر آیا۔ رسوئی کے ساتھ والے کمرے میں موہن بیٹھا چلم پی رہا تھا۔ اور غسل خانے کے قریب چاندنی کھڑی تھی اس کے شانے پر کپڑوں کا ایک نیا جوڑا تھا اور ہاتھ میں ایک نیا تولیہ تھا۔ نیم آہستہ آہستہ روپا کے ساتھ چلتا ہوا چاندنی سے قریب ہوا تو تولیہ کندھے پر دیکھ کر اس نے اپنے گورے گورے خوبصورت ہاتھ جوڑ کر بڑی خوش ادائی سے مسکرا کر پرنام کیا

نمسکار

نیم گھبرا گیا

جی ——— وہ ———

چاندنی لباس اس کی طرف بڑھا کر پھر بولی

آپ اشنان کر کے کپڑے بدل دیں پھر کھانا کھائیں

نیم نے ہاتھ بڑھا کر کپڑے لیے اور پہلی بار اسے غور سے دیکھا

وہ سترہ اٹھارہ برس کی بے حد حسین اور پرکشش جسم کی لڑکی تھی۔ دونوں بازوؤں پر اس نے بجھوٹھے پہن رکھے تھے۔ اس کا رو پہلی روشنی کا سا چمکتا ہوا چہرہ اس پر بھرے بھرے سرخ عارض

اخا

نیلے پانی کی جھیل میں مسکراتے ہوئے کنول جیسے آگ لگائے ہوئے ہوں

نیم اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا

چاندنی نے مسکرا کر آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا

میں نے صابن اندر رکھ دیا ہے نہا لیں نا

نیم چپ چاپ غسل خانے میں گھس گیا

چاندنی اور روپا اپنے باپو کے پاس چلی گئیں۔

نیم جب نہا کر نکلا تو چوڑی دار پاجامے اور کھلی کھلی سی ریشمی قمیض میں وہ پر وقار اور وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔ نیم جونہی باہر آیا۔ روپا اندر سے آلو پوریوں اور قمیض اٹھا کر لے گی اور چاندنی نے مسکرا کر دھیرے سے کہا۔

آئیے میرے ساتھ

نیم اس کے ساتھ ہو لیا

اس نے اسے اپنے کمرے میں سنگار میز کے پاس لا کھڑا کیا

پہلے بالوں کو کنگھی کر لیں پھر چلیں کھانے کے لیے

نیم شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر خاموشی کے ساتھ بال درست کرنے لگا۔

چاندنی اسے دیکھ رہی تھی۔

بس ایک ہی ٹک میں

مسکرا رہی تھی

دھیرے دھیرے کسی پوتر دیوی کی طرح

اور

ساتھ ہی ساتھ اپنی ساڑھی کا پلو مسل مسل کر شرما بھی رہی تھی۔

کچھ یوں

جیسے کوئی جوان و حسین کینا اپنے پرتیم کے سامنے کھڑی پیار کی بتیاں کرتے ہوئے لاج کے مارے دہری ہوئی جا رہی ہو

نسیم بال بنا چکا

آیئے۔ اس نے ساڑھی کا پلو دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔

وہ اس کے ساتھ ہو لیا

نسیم کے ساتھ وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی۔ پکے فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی اور ایک کونے میں ایک صاف ستھری دری پر کھانا چنا ہوا تھا موہن اور روپا پہلے ہی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

موہن تپاک سے بولا۔

آؤ بابو

نسیم اور چاندنی آمنے سامنے بیٹھ گئے

دری پر طرح طرح کے کھانے لگے تھے۔

دوست کی ہوئی پہلی ثابت پکی ہوئی دو مرغیاں شکار کیے ہوئے تیتروں کا شوربہ ساتھ میں بیٹھے اور ساد ھے چاول اور ہلکی پھلکی چٹنیاں سب کھانے لگے خاص کے ساتھ۔ چاندنی اچھی اچھی چیزیں نسیم کی طرف سرکا رہی تھی۔

کھانے کے بعد نسیم پھر اس کمرے میں آیا تو پلنگ پر صاف ستھرا بستر لگا تھا اور اوپر اوڑھنے کے لیے سفید دنگ کی ایک چادر بڑے قرینے سے تہ کی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک میز اور اس کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ نسیم پلنگ پر بیٹھ گیا۔ سامنے کھونٹی پر اس کی اتری ہوئی پتلون اور قمیض لٹک رہی تھی

نسیم یونہی کمرے کا جائزہ لینے لگا

باہر قدموں کی چاپ سنائی دی

وہ سنبھل گیا

چاندنی ہلکے ہلکے اور جھجکتی جھجکتی سی اندر آئی

بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

آؤ چاندنی

لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لیے وہ قریب آ گئی

کمرے میں خاموشی شاید اسے گراں گزری تھی لہٰذا وہ آتے ہی بولی۔

میں اس سے پہلے آپ کا شکریہ ادا نہ کر سکی آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے آپ کی بے حد احسان مند اور ممنون ہوں۔ آپ اگر بروقت نہ پہنچتے تو میں بلاؤ موجوں کی نظر ہو گئی ہوتی۔ کاش میں بھی آپ کے کسی کام آ سکتی۔

نسیم نے دھیرے سے کہا

یہ کوئی احسان نہیں ہے چاندنی۔ زندگی بخشنے والا اور بچانے والا تو خدا ہے۔ کسی سے بھی کوئی کام لے لیتا ہے۔

میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میرے ہاتھوں جو کچھ ہوا۔ خدا کو ایسا ہی منظور تھا

کچھ بھی ہو آپ میرے دیوتا ہیں۔

اس نے آگے بڑھ کر نسیم کے پاؤں چھو لیے۔

یہ کیا چاندنی ؟

اس نے تڑپ کر پاؤں پیچھے ہٹا لیے۔

چاندنی نے دکھ سے کہا

میں نے کوئی جواب تو نہیں کیا بابو ! اپنے دیونا کے چرن ہی تو چھوٹے ہیں

نہیں یہ اچھی بات نہیں ہے چاندنی

کیوں نہیں اچھی

نیم نے بات کا رخ ہی بدل دیا

اچھا چھوڑو۔ تم بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو

چاندنی خاموشی سے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگی

بیٹھ جاؤ نا

وہ چونک پڑی

کچھ اس طرح

جیسے رنگین خیالات کی مالا چنتے چنتے پیار کے انمول موتی اچانک بکھر گئے ہوں

میں چلتی ہوں آپ کے لیے دودھ گرم رکھ آئی ہوں۔ لے آؤں

اس وقت دودھ کی کیا ضرورت تھی ابھی ابھی تو پیٹ بھر کر میں نے کھانا کھایا ہے۔

باہر نکلتے ہوئے اس نے اداسی سے کہا

کھانا کون سا آپ نے بے تکلفی سے کھایا ہے۔

دودھ کا گلاس لا کر اس نے نیم کو تھما دیا اور خود اس کے سامنے کرسی پہ بیٹھ

گئی

وہ کچھ اداس تھی

نہ جانے کیوں؟

وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی

وجہ کی تو کسی کو خبر نہ تھی

اچانک خود ہی بول کر اس نے اپنے خیالات کی ترجمانی کر دی۔

بابو ! کہہ رہے تھے آپ کل چلے جائیں گے

ہاں چاندنی میں صبح چلا جاؤں گا

لیکن کیوں؟ اس نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

نیم کیا جواب دیتا

خاموش رہا بچارہ

لیکن

چاندنی چپ کیوں بیٹھتی

اس کے دل میں طوفان چل رہے تھے۔

جھکڑ اٹھ رہے تھے

پیار اور محبت کے بادل امڈ رہے تھے

ایسی محبت

جو اس کا سب کچھ بہا کر لے گئی

نیم سے محبت کرنے لگی تھی نا پگلی

اس کے کیا خبر تھی کہ وہ بجھی ہوئی راکھ کے نیچے محبت کی چنگاری تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ نسیم کے پاس دل ہی کہاں تھا وہ تو زوبی پہلے ہی لے چکی تھی۔ اب تو اس کے پاس راکھ آہیں ہی آہیں تھیں جنہیں وہ اپنی کھوکھلی مسکراہٹ سے ڈھانپے ہوئے تھا۔

چاندنی پہلی ہی ملاقات میں بے پناہ محبت کرنے لگی تھی۔

نسیم کا اس سلسلے میں بڑا کردار ہی کچھ ایسا تھا کہ اپنے آپ کو اس بیماری سے بچا نہ سکی۔

اچانک چاندنی کے منہ سے نکل گیا

نہ جائیے۔ کچھ دن یہیں رہیے نا

اوں! نسیم چونک پڑا

چاندنی اس قدر بے تکلفی پر شرما سی گئی

دودھ کا گلاس خالی ہو چکا تھا وہ اٹھا کر باہر چلی گئی۔

۲۳

گجر دم ہی نسیم اٹھ گیا اور نہا دھو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر بکھرا رہا پھر آنکھیں موند کر غور نہیں کیا سوچنے لگا باہر کسی کے دودھ دوہنے کی آواز آ رہی تھی اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب چاندنی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

اس نے جب آنکھیں کھولیں تو وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس کے پاؤں پر جھکی ہوئی تھی۔ نسیم نے غور سے دیکھا اس نے بیلے کی ڈھیروں کلیاں اس کے پاؤں میں ڈال دی تھیں۔

نسیم نے اسے پکارا

چاندنی!

اس نے اپنی موٹی موٹی مدہوش سی آنکھیں کھول دیں

پھر اس کی آواز نہ سنائی دی

جیسے

وہ کہیں دور ——— بہت دور سے بول رہی ہو

دلیوتا کے چرنوں میں پھول چڑھانے آئی تھی میں۔ آپ ——— آپ ———

خبر نہیں کیوں رک گئی وہ

نسیم نے بہت دکھ سے کہا

میں تو ایک گناہگار انسان ہوں چاندنی! میں اس قابل کہاں کہ تمہارا دلیوتا کہلا سکوں

چاندنی کھڑی ہوگئی اور اپنا خوبصورت ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ دیا

نہیں نہیں۔ آپ دلیوتا ہیں پوتر ہیں۔ میں تو ——— آپ ———

وہ کچھ کہتے کہتے پتہ نہیں کیوں رک جاتی۔ خبر نہیں کیا کہنا چاہ رہی تھی

نسیم نے غور سے اسے دیکھا اس کی موٹی موٹی جھیل سی آنکھوں میں سفید سفید کنول

کے سے دو موٹے موٹے قطرے لہرا رہے تھے۔

نسیم پریشان ہوگیا

چاندنی اداسی کا مجسمہ بنی کھڑی تھی

نسیم اسے دیکھ رہا تھا

بس یونہی

بغیر کسی ارادہ کے

سفید ریشمی ساڑھی میں چاندنی اس کے سامنے یوں دکھائی دے رہی تھی

جیسے

اداس اداس سا چاند بادلوں میں سے جھانک رہا ہو۔

نسیم نے بڑے دکھ سے پوچھا

رو رہی ہو چاندنی!؟

اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے

نہیں تو

وہ زبردستی مسکرا دی

اور سر جھکائے تھکی تھکی سی وہ باہر نکل گئی

روپا اس کے سامنے ناشتہ لگا گئی پنجرتے ہوئے گھی کے پراٹھے کے اس نے

دودھ کے ساتھ چند نوالے لیے۔ اور پھر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ روپا دوبارہ آئی اور

برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔

دیدی آپ کو بلا رہی ہے

نسیم اٹھ کر باہر آیا چاندنی صحن میں پیپل کے درخت تلے کھڑی تھی۔

نسیم اس قریب ہوا

کیا بات ہے چاندنی

آئیے باہر چلیں۔ شرما کر اس نے ہلکے سے کہا۔

کہاں؟

میری سکھیاں دریا پہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی آپ بھی میرے ساتھ گھوم آئیے

گا۔

ٹھہرو! میں لباس تبدیل کر لوں

وہ واپس کمرے میں آیا اور اپنی تپلون قمیض پہن کر پھر باہر آیا اور چاندنی کے

ساتھ دریا کی طرف نکل گیا

دونوں دریا کنارے پہنچے۔ بستی کی لڑکیاں پہلے ہی دریا میں مچھلیاں پکڑ رہی تھیں۔ انہوں نے چاندنی کے ساتھ نسیم کو بھی آتے دیکھ لیا تھا چاندنی نے دریا کے کنارے بندھی ہوئی سرخ رنگ کی ایک خوبصورت کشتی کھولی اور نسیم کو اس میں بٹھا کر وہ کشتی کو اپنی سکھیوں کی طرف کھینے لگی۔

لڑکیاں انہیں دیکھتے ہی جھوم جھوم گانے لگیں

پنیا میں آگ لگائے گوری پہ یتموا کے سنگ ..... منوا تیرا ڈھولے ہو

لڑکیاں گا رہی تھیں

ناچ رہی تھیں

اور چاندنی نسیم کی طرف دیکھ دیکھ کر شرما رہی تھی۔

اس کی سسکیاں نسیم کو اس کا پریتم سمجھنے لگی تھیں۔

لیکن

اس نادان کو کیا خبر ہوا کے جس خوشگوار جھونکے کے پیچھے وہ بھاگ رہی ہے۔ وہی ایک دن پت جڑھ کے طوفان کی شکل دھار کر محبت کے سب رنگین خیالوں کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے جائیگا۔

کافی دیر تک چاندنی اسے دریا میں گھماتی رہی اچانک اس کی نظر جو کنارے پہ پڑی تو عابد وہاں کھڑا ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف بلا رہا تھا اس کے قریب ہی زوبی بھی کار کے قریب کھڑی تھی۔ نسیم نے چاندنی کی طرف دیکھ کر کہا۔

چاندنی

جی وہ خود چونک پڑی

کنارے کی طرف چلو ادھر دیکھو وہ مجھے لینے آ گئے ہیں۔

کیا ابھی آپ چلے جائیں گے؟

ہاں چاندنی! وہ لینے تو آ گئے ہیں

آپ انہیں کہہ دیں چلیں جائیں میں آپ کو کشتی سے دریا کے اس پار پہنچا دوں گی

نہیں چاندنی! وہ بُرا محسوس کریں گے۔

چاندنی خاموش ہو گئی اور کشتی کو کنارے کی طرف لے جانے لگی

وہ افسردہ ہوئی جا رہی تھی

من ڈوب رہا تھا

نگاہوں کے گوشے بار بار بھیگ رہے تھے۔

نسیم جا رہا تھا۔

وہی نسیم

جس سے وہ بے پناہ محبت کرنے لگی تھی۔

اس نے اس کا سارا گھمنڈ اور غرور جھیر جھیر کر دیا تھا ورنہ وہ تو بستی کی مانی ہوئی بے پرواہ اور مغرور حسینہ تھی اس کے اکھڑ پن ہی کی وجہ سے تو بستی کے کسی جوان کو کبھی اس سے بات تک کرنے کی جرات نہ ہوئی تھی۔ بستی کے کسی بھی جوان نے کبھی اس کا راستہ روک کر دل کا حال نہ کہا۔ حالانکہ اس کا حسن کئی جوانوں کا دل اڑا ہوئے تھا۔ تاہم کبھی بھی کسی نے اس سے کچھ کہنے کی جرات نہ کی۔ ایک تو وہ خود کسی

کو منہ نہ لگاتی دوسرے ٹھاکر کی بیٹی جو تھی۔ کسی کو اس کی راہ میں حائل ہونے کی
حسارت کیونکر ہوتی۔
مگر نسیم ؟
اس نے تو اس کی کایا ہی پلٹ دی
اس کے من میں تو وہ کچھ اس قدر تیزی سے رچ بس گیا تھا۔
کہ اسے اپنے آپ کا ہوش تک نہ رہا
وہ خود کو بھول گئی
پہلی ہی ملاقات میں نسیم کو دیوتا سمجھ کر اس نے اپنا سر اس کے چرنوں پر رکھ دیا۔
وہ سنبھل بھی نہ سکی
اپنی سوچ سے کوئی فیصلہ بھی نہ کر پائی
آپ ہی آپ
دل کے تار جھنجھنا گئے
مضراب حیات بج اٹھا
وہ کسی کی ہوگئی تھی
کنارہ قریب آگیا۔ چاندنی نے دکھ سے پوچھا۔
پھر کب آئیں گے۔
نسیم مسکرا دیا
ابھی تو کچھ دن میں دریا کے اس پار ہی رہوں گا
لیکن ہمارے ہاں کب آئیں گے چاندنی رونے ہی والی تھی۔

بھئی پکا وعدہ نہیں کرتا۔ جب فرصت ملی ضرور آؤں گا
چاندنی واقعی رو دی
مجھے کچھ نہیں پتہ میں نہیں جانے دوں گی آپ کو
اچھا بھئی آیا کروں گا۔ تم ناراض مت ہو۔ نسیم نے اسے تسلی دی۔
چاندنی نے کشتی روک دی۔ نسیم نیچے اتر گیا
عابد اس کی طرف بڑھ کر بولا۔
بھئی خوب سیر کر رہے ہو دریا کی ہم تو پہلے بستی گئے تھے وہاں سے پتہ چلا کہ
پردیسی بلما دریا کو گئے ہیں لہٰذا ادھر آگئے اب کیا خیال ہے چلو گے نہیں۔ ہم نے تو
ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا
چلو چلتے ہیں
کار کے قریب جا کر وہ مڑا اور چاندنی کی طرف دیکھ کر کہا
اچھا چاندنی۔ خدا حافظ۔ اپنے بالو اور روپا سے میرا سلام کہنا۔ کل کوشش کروں
گا آنے کی
چاندنی گم سم کھڑی رہی
منہ سے کچھ بھی نہ کہا
وہ جب کار میں بیٹھا تو اس نے ہاتھ ضرور ہلایا
وہ دیکھے جا رہی تھی ٹکر ٹکر
کار جب نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو بوجھل سی طبیعت سے بجیوں سنبھالے
اور کشتی اپنی سکھیوں کی طرف لے جانے لگی۔

نسیم، عابد اور زوبی کے ساتھ کاٹیج میں آیا۔ زوبی نے چائے تیار کی۔ تینوں نے بیٹھ کر ناشتہ کیا نسیم یونہی ان کے ساتھ رسماً بیٹھ گیا تھا۔ اس کے بعد تینوں گھومنے کے لیے ساتھ والے گاؤں کے کھیتوں کی طرف چلے گئے۔

شام سے ذرا پہلے واپس لوٹے تو عابد دھم سے پلنگ پر گر کر آرام کرنے لگا نسیم کپڑے نکال کر دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ اُس کا اُس دن کا بھیگا ہوا لباس خشک ہو کر اندر لٹک رہا تھا زوبی نے وہ اتار کر جب اس کا اٹیچی کھول کر اندر رکھنا چاہا تو اس کی نظر اندر رکھے چند لفافوں پر پڑی جن پر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسیم کا پتہ تھا وہ پہچان گئی یہ وہی خط تھے جو اس نے طلاق سے قبل نسیم کو لکھے تھے اس نے سب نکال لیے اور پڑھنے لگی۔

وہ چونک کر رہ گئی
سکتہ سا طاری ہو گیا

ان میں سے کوئی بھی خط اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہ تھا۔ ہر خط میں طلاق کا پرزور مطالبہ کیا گیا تھا۔ بار بار عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی دھمکی دی گئی تھی وہ پھرتی سے اپنے اٹیچی کیس کی طرف گئی اور اپنے نام نسیم کے لکھے ہوئے خط باہر نکال لیے۔ ان پر بھی باہر پتہ نسیم کے ہاتھ کا تھا اور اندر وہیں لکھائی تھی جو نسیم والے خطوں میں تھی۔

وہ انیلہ کی لکھائی پہچان گئی اس کا ہر فریب اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ وہ آپ ہی آپ بڑبڑائی۔

تو میری تباہی کی تم ذمہ دار ہو؟ ذلیل کمینی، نیچ

اس نے غصے میں ہونٹ کاٹ لیے

اس کا جی چاہ رہا تھا۔ ابھی جائے اور انیلہ کا جا کر منہ نوچ لے

اب نسیم اس کی نگاہوں میں معصوم تھا۔ بے گناہ اور مظلوم تھا۔ اسے اس پر بے پناہ پیار آنے لگا۔ اس کی محبت دل میں تموج پیدا کرنے لگی۔

اس نے قریب سوئے ہوئے عابد کی طرف کچھ ایسی نفرت حقارت اور غصے سے دیکھا جیسے وہ ابھی اس کا گلہ گھونٹ دے گی اور بھاگ کر نسیم کی گود میں گر پڑے گی۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی ابھی کھانا تیار کرنا تھا۔ مگر کوئی بھی کام کرنے کو اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اُٹھ کر وہ دروازے کے قریب آئی تو سامنے چاندنی نظر آئی کشتی سے اتر کر وہ نسیم کی طرف بڑھ رہی تھی اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹوکری بھی تھی

وہیں کھڑے ہو کر زوبی غور سے اسے دیکھنے لگی۔

نسیم کے قریب آکر اس نے ٹوکری ایک طرف رکھ دی۔ ساڑھی کے پلو میں باندھے ہوئے پھول کھولے اور نسیم کے قدموں پر ڈال کر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی ان کے تازے پھولوں کے گجروں سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

نسیم نے چونک کر کہا

چاندنی! تم آگئیں

اس نے مسکرا کر جواب دیا

آپ تو نہیں آئے میں خود ہی آگئی۔ وہ اس کے قدموں پر ہی بیٹھ گئی

نسیم نے اس کا بازو پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

چلو اٹھو نیچے کیوں بیٹھ گئی ہو۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے اندر سے کرسی لاتا ہوں
میں یہیں بیٹھوں گی پجارن کو دیوتا کے چرن ہی سب کچھ ہیں۔
پھر میں بھی نیچے بیٹھ جاتا ہوں۔ وہ اٹھ گیا۔
نہیں نہیں آپ بیٹھیے میں خود جاکر اندر سے کرسی لے آتی ہوں۔
زوبی کو جانے کیا سوجھی۔ وہ خود اندر سے ایک کرسی اٹھا کر ان کے پاس رکھ
آئی اور دروازے کی اوٹ میں آکر پھر ان کی باتیں سننے لگی۔
چاندنی کہہ رہی تھی۔
میں آپ کے لیے دودھ لے کر آتی ہوں اور جاتی دفعہ آپ کو ساتھ لے کر جاؤں
گی۔ بابا اور روپا نے بھی کہا تھا ضرور لے کر آنا۔ آپ کے آنے کے بعد میرا بالکل
جی نہیں لگا۔ سکھیاں اب آپ کا نام لے لے کر مجاق کرتی ہیں۔
وہ کہتی ہیں ——— وہ کہتی ہیں ——— رک رہی تھی وہ
بری طرح
کہتی ہیں تمہارا پردیسی چلا گیا
اب وہ کبھی نہیں لوٹے گا۔ پردیسی جو ٹھہرا
لیکن میرا دل نہیں مانتا تھا
میں نے انہیں کہا
میرا پریتم ضرور آئے گا
وہ مجھے کبھی نہیں بھولے گا
وہ دیوتا ہے۔

میں اس کی پجارن
بھلا دیوتا بھی کبھی اپنی پجارن سے ناخوش ہوئے ہیں۔
وہ ضرور آئیں گے
مجھے لینے کے لیے۔ پھر میں سدا ان کے سنگ رہوں گی۔
لیکن سکھیاں نہیں مانتیں
اس نے نسیم کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا
بتائیے نا وہ کیوں میری باتیں نہیں مانتیں
نسیم نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا
وہ ٹھیک کہتی ہیں چاندنی! پردیسی کبھی لوٹ کر نہیں آئے
لیکن کیوں؟
میں تمہیں کیسے سمجھاؤں چاندنی
کہ ———
کہ میں تمہارا پریتم نہیں ہوں
میں تمہارا دیوتا اور پردیسی نہیں ہوں
کیسے سمجھاؤں چاندنی۔ کیسے سمجھاؤں تجھے
میں ——— میں ایک سراب ہوں ایک فریب ہوں۔ ایک دھوکا ہوں۔
تم بھول رہی ہو چاندنی!
ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ
چاندنی رو دی

میں آپ کو نہیں بھول سکتی
آپ کے بغیر میری آتما ہمیشہ دکھی رہے گی
بھگوان کے لیے مجھے نہ بھولیئے
میں مر جاؤں گی
آپ کو ایشور کی قسم
مجھے نہ ٹھکرایئے۔
میں بچ نہ سکوں گی آپ کے بغیر میں مر جاؤں گی
وہ اس کے قدموں پر گر کر سسکیاں لے کر رونے لگی
نسیم نے اسے شانوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا
میں کسی سے محبت نہیں کر سکتا چاندنی!
کسی کو اپنا بنا نہیں سکتا
میں مجبور ہوں چاندنی! بالکل مجبور اور بے بس
لیکن کیوں؟
ایک طویل داستان ہے یہ۔ میری سرگزشت سن کر تمہارا دل دکھ جائے گا۔
آنسو پونچھتی ہوئی وہ پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔
میں آج سب کچھ سن کر رہونگی۔
دروازے کے قریب کھڑی زوبی، نسیم کی باتیں سن کر رونے لگی
نسیم، چاندنی کے سامنے ہار مان گیا
تنگ کرتی ہو تو سنو۔

ایسی ہی ایک اداس اور سنسان شام تھی۔
ایک لڑکی کو میں نے غنڈوں کے ہاتھوں چھڑایا تھا۔
وہ دریا میں ڈوب رہی تھی میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی۔ میں نے اسے بچا

بالکل تمہاری ہی طرح
میں نے ڈوبنے سے اسے بچا لیا
تم سے بھی زیادہ
وہ بھولی بھالی اور حسین تھی
بالکل کسی معصوم کلی کی طرح وہ پرکشش اور خوبصورت تھی
میں اس سے محبت کرنے لگا
وہ بھی مجھے چاہنے لگی
پھر
پھر ہم دونوں کی شادی ہو گئی
وقت گزرنے لگا ہم دونوں کا پیار بڑھتا گیا
ہمارے ہاں پھر ایک لڑکی بھی ہوئی۔ بالکل اسی جیسی خوبصورت اور پرکشش
بلن آہستہ آہستہ وہ بدلنے لگی
وہ آزاد خیال بن گئی
اونچی اونچی سوسائٹیوں میں بیٹھنے لگی
ایسی جگہوں میں

جن کے آداب سے میں قطعی ناواقف تھا۔

وہ بدلتی گئی بڑی تیزی سے۔ پھر اس نے مجھے طلاق دے دی۔

میرے بدن سے اب بھی اس کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو آتی ہے میں اب بھی چاہتا ہوں۔ میں اس سے پیار کرتا رہوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں لیکن اب میں اپناؤں گا نہیں۔ ویسے بھی اس نے ایک اونچی سوسائٹی میں شادی کرلی ہے میں اب کسی عورت سے محبت نہیں کروں گا چاندنی! کبھی نہیں کروں گا یہ میرا وعدہ ہے

نے گھٹی گھٹی سی آواز میں سب کچھ کہہ دیا۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑی زوبی سسک سسک کر رونے لگی تھی۔

چاندنی بڑے غصے میں بولی

وہ

وہ کوئی جلیل، کمینی اور نیچ تھی جس نے آپ جیسے دیوتا کو چھوڑ دیا۔

میں

میں وعدہ کرتی ہوں سدا آپ کے چرنوں کی دھول بن کر رہوں گی

نسیم اٹھ کھڑا ہوا۔

چھوڑو ان باتوں کو۔ چلو میں تمہیں دریا پار چھوڑ آؤں۔ اندھیرا ہو رہا ہے

چاندنی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ گئی

یہ دودھ کہاں رکھوں

جاؤ اندر رکھ آؤ

چاندنی دودھ کی ٹھلیا اندر رکھ آئی۔

دونوں کشتی کی طرف بڑھنے لگے

نسیم نے کچھ سوچ کر کہا

چاندنی! میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا شہر

پھر آپ کبھی نہیں آئیں گے ملنے اس نے دکھ سے پوچھا۔

آؤں گا کبھی کبھی

اگر میں آپ سے ملنا چاہوں؟

تو ان کے ہاں آجایا کرو۔ یا میرے گھر

لیکن مجھے تو دونوں جگہ کا پتہ نہیں

ان کا گھر نئی آبادی میں شہر سے باہر نکلنے والی سڑک پر ہے۔ باہر اس کے

بورڈ بھی ہے اور میرا اپنا گھر اقبال نگر میں نیلی مسجد کے پاس ہے۔ گیروے

ٹولی ہے سامنے ایک چھوٹا سا ہوٹل بھی ہے۔

میں اب میں پہنچ جاؤں گی

شتی قریب آگئی دونوں باری باری بیٹھ گئے نسیم نے چپو سنبھالے اور کشتی ہولے

دوسرے کنارے کی طرف سرکنے لگی۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شفق کی سرخی میں ڈوبی ہوئی کرنیں زمین پر

رہی تھیں۔ دھندلکے تاک جھانک کرنے لگے۔ دریا کے اس پار کوئی

ہی بستی کی طرف جاتی ہوئی گھائل ترنم سے گا رہی تھی۔

تمہی میری منزل تمہی میری پوجا
تمہی دیوتا ہو . . . . . .

فضائیں ساکن تھیں ۔ چاندنی گانے کے بولوں میں الجھی بیٹھی تھی ۔
مگر نسیم ؟
ہر چیز سے بے خبر چپو چلا رہا تھا۔ جن کی شپ شپ کی آواز فضا میں ابھر اور ڈوب رہی تھی

۲۴

دوسرے روز نسیم نے واپس چلنے پر اصرار کیا ۔ زوبی نے بھی کھل کر حمایت کی ۔ لہٰذا عابد بھی مان گیا تینوں واپس آگئے زوبی کچھ دیر گھر ٹھہر کر سیدھی نومی کے پاس گئی اور خطوں کا سارا بنڈل اس کے سامنے کھول دیا

نومی اب تک طلاق کے معاملہ میں نسیم کو بھی خطاوار سمجھ رہی تھی مگر سارے خط پڑھنے کے بعد اس کی سب غلط فہمیاں دور ہو گئیں نسیم اب اس کی نگاہوں میں بھی معصوم اور بے گناہ تھا ۔

انیلہ کے خلاف نومی کا خون بھی کھول اٹھا ۔ دونوں بہنیں اسی وقت انیلہ کے ہاں آئیں وہ لان میں بیٹھی نٹنگ کر رہی تھی ۔ زوبی اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لائی اور اندر بیٹھتے ہی پھٹ پڑی

تمہیں کس نے کہا تھا کہ نسیم کو میری طرف سے جھوٹے اور واہیات خط لکھو
انیلہ کے ہاتھ سے سلائیاں گر گئیں وہ کانپ سی گئی
ہائیں! تمہیں کیسے پتہ چلا
یہ دیکھو تمہارے لیے ہوئے خطوط
سارے خط اس نے اس کے سامنے پھیلا دیئے
انیلہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا
اس نے گردن جھکا لی
مجھے ان سے انکار نہیں۔ میں تمہیں اظہر کی بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی لیکن بدقسمتی سے میری کوئی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ میں تم سے معافی مانگتی ہوں زوبی! مجھ سے خطا ہو گئی تھی۔
زوبی برس پڑی
تم نے میرا جنت سا گھر ویران کر دیا
میری زندگی تباہ کر دی
شوہر کی نظروں میں تو نے مجھے ذلیل اور نیچ بنا دیا۔
سماج کے سامنے صرف تمہاری وجہ سے میں اتری ہوئی پالوشن بن گئی
میں تمہیں معاف نہیں کروں گی
کبھی نہیں
تم نے میری بربادیوں کا سامان مہیا کیا
میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی
تڑاخ تڑاخ
اس نے انیلہ کے منہ پر طمانچے برسا دیئے۔
ذلیل کمینی حرامزادی
وہ بے تحاشہ بکنے لگی
انیلہ چپ رہی
زوبی کا پارہ چڑھتا گیا
انیلہ کی چٹیا پکڑ کر اس نے اسے کرسی سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اور پاؤں کی ٹھوکریں مار مار کر اسے ادھ موا کر ڈالیں انیلہ لڑکھڑا کر دور جا گری۔ زوبی نے بچھرا اس کی چٹیا پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔
تھو
بے شرم بے غیرت
اس نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر پھر اسے دور گرا دیا۔
زوبی غصے میں پاگل ہوئی جا رہی تھی
نومی نے اسے آگے بڑھ کر پکڑ لیا
چھوڑو اب اس بے حیا کو چلو چلیں اب کبھی اس کو اپنے ہاں مت آنے دو
زوبی کو زبردستی کھینچتی ہوئی وہ باہر لے آئی
انیلہ ابھی تک فرش پر بے سدھ پڑی تھی۔
زوبی اور نومی جب گیٹ سے باہر نکل رہی تھیں تو اظہر اپنی کار میں بھی اندر

داخل ہوا۔ اس نے دونوں کو بڑی حیرت سے دیکھا مگر وہ اس کی طرف دھیان دیئے بغیر اپنی کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔

نوی کو چھوڑ کر زوبی اپنے گھر آئی۔ وہ نسیم سے اب مکمل کر بات کرنا چاہتی تھی۔ پہلے اس نے عابد کے کمرے میں جھانکا وہ اندر نہیں تھا۔

شاید کہیں جا چکا تھا۔

اور پھر آوارہ مزاج آدمی کا کیا

جب چاہے جہاں مرضی کرے چلا جائے۔

زوبی وہاں سے آہستہ آہستہ نسیم کے کمرہ کی طرف آئی وہ اندر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ زوبی آہستگی سے اندر داخل ہوئی اور اس کے قریب کھڑے ہو کر کہا

میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

وہ کانپ رہی تھی

بالکل اس بے سروسامان مسافر کی طرح جو سردی سے ٹھٹھر رہا ہو

آج وہ کافی عرصے بعد نسیم کے ساتھ تنہائی میں جو کھڑی تھی۔

نسیم نے کتاب سے نظریں ہٹائیں نہ ہی اس کی طرف دیکھا

جواب نہ پا کر زوبی پھر کانپتی ہوئی بولی

میرے اور آپ کے تعلقات انیلہ نے خراب کئے میں نے آپ سے کبھی طلاق کا مطالبہ نہ کیا تھا۔ میں تو آپ بھی آپ سے محبت کرتی ہوں۔ انیلہ اپنی طرف سے خط لکھ لکھ کر آپ کو بھجواتی رہی۔ میرا اس میں کوئی دوش نہیں انیلہ نے ہی میری زندگی تباہ کی ہے۔

نسیم چپ رہا

لیکن زوبی بھلا کیوں خاموش رہتی

یہ دیکھئے

اس نے سارے خط میز پر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

یہ سب انیلہ نے لکھے ہیں۔ آپ بے شک میری لکھائی دیکھ لیں۔ میں بالکل بے گناہ ہوں۔

نسیم کو غصہ آگیا

انیلہ نے لکھے ہیں تو میں کیا کروں جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب اپنی صفائی کیوں پیش کر رہی ہو۔

زوبی رونے لگی

آپ نے مجھے طلاق کیوں دی

آپ نے یہ کیوں نہ سوچا میں آپ کو ایسے خط نہیں لکھ سکتی

میرے ساتھ آپ نے ظلم کیا ہے میں قیامت میں آپ کا دامن پکڑ کر فریاد کروں گی۔

آپ نے ساری عمر مجھے جلنے کے چھوڑ دیا ہے

لیکن اب میں اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ رہنے دوں گی

میں آپ سے دور نہیں رہ سکتی

نہیں رہ سکتی وہ رونے لگی

نسیم کتاب بند کر کے جیسے پھٹ ہی تو پڑا۔

تم کیسے اپنے آپ کو بے گناہ قرار دے سکتی ہوں
بے تعلقی کی بھیل کس نے پیدا کی
طلاق کا مطالبہ کس کی طرف سے ہوا
بولو میری طرف سے یا تمہاری طرف سے
میں نے تمہیں اپنا گھر سنبھالنے کو کہا
تم برا مان گئیں
میں نے تمہیں اپنے وسائل کے اندر رہنے کو کہا
تم نے منہ پھیر لیا
میں تمہیں لینے گیا
تم ڈرائنگ روم سے اٹھ کر باہر نکل گئیں
میری شکل سے بیزار تھیں نا
اختر اور اظہر نے میرے ساتھ جھگڑا کیا
انیلہ نے ناہید بھابی پہ تہمت لگائی
لیکن
لیکن تمہارے منہ سے ہمدردی کا ایک لفظ نہ نکلا
کیا یہی تھی تمہاری محبت اور وفاشعاری
تم نے طلاق کا مطالبہ کیا
عدالت جانے کی دھمکی دی
مجھے نہیں پتہ خط تم نے لکھے یا انیلہ نے

لیکن میرا تعلق تو تمہارے ساتھ تھا میں نے تمہارے خطوط پڑھ کر طلاق دے

بعد میں اپنی بچی کو میں لینے گیا
اور اختر کے ملازموں نے میری ٹانگ توڑ دی۔
کیا اس وقت تمہارے منہ سے ہمدردی کا کوئی لفظ نکلا
پھر کیسے کہتی ہوں تمہیں مجھ سے محبت تھی
تمہیں مجھ سے نہیں اونچی سوسائٹی سے محبت تھی
اب تم نے اپنی پسند کی شادی کر لی ہے۔
اڑتی پھرو کاروں میں
خوب ناچو کلبوں میں
اپنے شوہر کے ساتھ تم بھی شراب پیو نا
پھر وہ اب اس کی باہوں میں باہیں ڈال کر
میرا اب تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں
زوبی سسکیاں لے کر رونے لگی
اچانک
وہ اس کے قدموں پہ گر گئی
مجھ سے خطا ہو گئی بھول ہو گئی صرف ایک بار معاف کر دیں۔ پھر کبھی ان قدموں
نہیں ہٹوں گی۔
نعیم نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔

ہوش میں رہو زوبی! تم کسی کی بیوی ہو۔ میں تمہارے لیے غیر ہوں۔ جاؤ اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔

زوبی زور سے چلائی

میں کسی کی بیوی نہیں ہوں

کوئی میرا شوہر نہیں

میں آپ کی ہوں

میں آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ پاگل پن میں وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی

اس کی بھی کیا خطا تھی

نسیم سے محبت جاگ اٹھی تھی

چلی جاؤ زوبی یہاں سے مجھے بدنام نہ کرو

ورنہ میں خود ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلا جاؤں گا

ان حالات میں میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ تمہاری یہ حالت یہاں رہتے ہوئے

میری برداشت سے باہر ہے۔

میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ اس میں میرا سکون ہے بھول جانے دو مجھے

میں

میں ایک بیوہ بہن کا بھائی ہوں

ایک معصوم بچی کا باپ ہوں

انہیں میری ضرورت ہے

میں ان کی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ہر حالت میں

میرے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑ جاؤ زوبی

مجھے زندہ رہنے دو

مجھے جینے دو

تم امیر ہو۔ میں غریب

میرا تمہارا اب کوئی ساتھ نہیں

تم کسی کی بیوی ہو۔ کسی کی عزت ہو۔ جاؤ اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ نسیم

ہو گیا۔

زوبی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی

میں کسی کی بیوی نہیں

میں اسے چھوڑ دوں گی

میں

میں طلاق لے لوں گی میں یہاں نہیں رہوں گی

نہیں رہوں گی اب

نسیم نے اپنی ٹانگیں چھڑا لیں

تم پاگل ہو گئی ہو۔ چھوڑو مجھے جانے دو اپنے گھر

زوبی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی

میں جانے دوں گی آپ کو

نسیم نے اسے شانوں سے پکڑ کر صوفے پر گرا دیا اور خود تیزی کے ساتھ کوٹھی

سے باہر نکل گیا

رات اندھیرا پھیلے عابد لوٹا۔ زوبی نے اس کے ساتھ بات تک نہ کی وہ بھی شراب میں دھت تھا۔ آتے ہی جھومتا ہوا بستر میں گھس گیا۔ ملازمہ نے زوبی کے لیے کھانا لایا۔ مگر اس نے کچھ نہ کھایا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا اور ساری رات سسک سسک کر روتی رہی۔

۲۵

اس رات نسیم نے کھانا ناہید، شازیہ اور عقیل کے ساتھ کھایا سب اسے گھر دیکھ
رفوش ہو رہے تھے تمیزن بوا بھی نسیم کی موجودگی میں پھولی نہ سما رہی تھیں لیکن نسیم
ال تھا۔ زوبی کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد آج کا من دکھی ہو گیا تھا۔ ناہید نے
کھ اسے کریدا مگر وہ کھانا کھا کر خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ برآمدے
سے گزرتے ہوئے تمیزن جوانے جیسے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو
بیٹا! تم اب زیادہ تر باہر رہنے لگے ہو۔ لوگوں کی زبانیں اب لمبی ہونے لگی ہیں
ی کی عورتیں سر عام اب ناہید کے کردار پر انگلیاں اٹھانے لگی ہیں بہتر ہے کچھ
ر کے لیے تم ناہید کو باہر ہی بھیج دو۔ نسیم پہلے ہی اداس تھا اس بات نے اسے اور
کر دیا۔

مجھے سوچنے دو خالہ جی۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا

شانہ یہ آج اس کے پاس سوئی تھی اس کے اکثر باہر رہنے سے وہ اداس بھی رہنے لگی تھی اس لیے ابا سے محبت کی زیادتی ایک فطری جذبہ تھا۔

دوسرے دن صبح سویرے زوبی کے ہاں جانے کے لیے نسیم گھر سے نکلا تو سامنے والے ہوٹل میں کھڑے ایک جوان نے اسے آواز دے کر بلایا

اے! ادھر آؤ ذرا

نسیم اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا

وہ محلے کا دادا تھا فضلو مانا ہوا غنڈہ تھا

نسیم اسے غور سے دیکھنے لگا کیا بات ہے۔

دیکھو یہ شریفوں کا محلہ ہے تمہارا رویہ اب زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کیا جائے گا

نسیم ترش ہو گیا

پہیلیوں میں مت ڈالو۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو

انجان نہ بنو سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی بھولے بن رہے ہو۔ جوان بھابی کو تم نے بیوی بنا کر گھر رکھا ہوا ہے اور پھر پوچھتے ہو بات کیا ہے۔

نسیم برس پڑا

اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا

کل کا چھوکرا اور ہمیں دھونس ہا ہا ہا ہا

نسیم زخمی شیر کی طرح اس پر پل پڑا

ڈزا ڈزا

بڑی تیزی کے ساتھ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کے سخت گھونسے اس پر برسائے

فضلو بھی سنبھل گیا دونوں گتھ گئے۔

نسیم نے اسے پکڑ دے کر فرش پر پٹخ دیا

دونوں ایک دوسرے پر کرسیاں برسانے لگے

ہوٹل کے برتن ٹوٹ پھوٹ گئے فرنیچر بکھر گیا۔ نسیم نے فضلو کو مار مار کر آدھ موا کر دیا پھر اس کی پیٹھ پر پاؤں کی ایک سخت ٹھوکر لگائی۔

ہمت ہے تو اٹھو اور اگر ہار مان گئے ہو تو سنو

دوبارہ یہاں آکر کسی کی ماں بہن کے متعلق کچھ کہا تو یاد رکھو تمہاری ہڈیاں چبا ڈالوں گا

مگر آواز تک نہ آئے گی

وہاں سے سٹ کر نسیم نے ہوٹل والے کا گریبان پکڑ لیا۔

دوبارہ ایسے شخص کو اگر ہوٹل میں گھسنے دیا۔ تو گلہ کاٹ دوں گا تمہارا

کیا گھر پر تمہاری بہو بیٹیاں نہیں؟

کیا تمہاری کوئی ماں بہن نہیں۔

ہوٹل میں کھلی چھٹی دینے کے بجائے ایسے لوگوں کو اپنے گھر لے جایا کرو نا

فضلو جھٹکے کے ساتھ اس نے اسے کرسی سے نیچے پھینک دیا اور خود بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔

اس دوپہر جب وہ کھانا کھانے کے لیے آیا۔ تو زوبی برآمدے میں بیٹھی تھی۔

نسیم بڑے گیٹ سے داخل ہو کر آگے بڑھا تو ملازمہ نے اس سے قریب ہو کر

بولا

بڑے صاحب نہیں آئے کیا؟

نہیں بڑی بی اس کی آواز کچھ تھکی تھکی سی تھی

نسیم آہستہ آہستہ آگے بڑھا وہ کچھ اس طرح چل رہا تھا جیسے تھک کر چور ہو چکا

ہو

ہوئے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف گیا۔ زوبی اسے دیکھتے ہی اٹھ گئی۔ خبر

نہیں وہ کن خیالوں میں الجھی بیٹھی تھی

نسیم جب دروازے سے قریب ہوا تو وہ بڑی چاہت سے بولی

آج آپ دیر سے کیوں آئے؟

شاید وہ بھول چکی تھی۔ کہ وہ عادی ہے اور نسیم سے یہ سوال نہیں کر

سکتی

نسیم کچھ کہے بغیر کمرے میں چلا گیا

زوبی اس کے پیچھے پیچھے اندر گئی۔ وہ کچھ بدلی بدلی سی تھی

نسیم صوفے پر گر گیا اور آنکھیں بند کر لیں

زوبی نے آگے بڑھ کر اس کی ٹائی کی گرہ کھولی

پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا تھا

زوبی اب اس کے بوٹ کھولنے لگی کچھ دیر وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں

لہلاتی رہی پھر سلیپر پہنا دیئے۔

نسیم آنکھیں بند کئے لیٹا رہا

زوبی اس کے پاؤں صوفے پر بیٹھ گئی

پتہ نہیں کیوں وہ بڑی بے تکلفی سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے

شاید

وہ اپنے حال کو بھول کر ماضی میں کھو چکی تھی۔

زوبی اور آگے بڑھی

وہ اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے بڑے پیار سے بولی

تھک گئے کیا؟ کیوں زیادہ کام کرتے ہیں؟

نسیم نے آنکھیں کھول دیں۔ زوبی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔

تم

تم میرے پاس کیوں بیٹھی ہو۔ وہ اُٹھ کر دوسرے صوفہ پر ہو بیٹھا

اُف

یہ میرے بوٹ تم نے اتارے

میری ٹائی کی گرہ تم نے کھولی

تم پاگل ہو گئی ہو۔ اپنے ساتھ مجھے بھی تم لے ڈوبو گی

زوبی نے کچھ نہ کہا

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

نسیم پھر بولا۔

تم کسی اور کی بیوی ہو زوبی! ماضی کی ان یادوں کو بھول جاؤ جو پیار کے
ان راستوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن پر کبھی ہم اکٹھے چلتے رہے تھے۔
زوبی وہیں بیٹھی رہی چپ چپ اُداس اُداس سی
وہ رو رہی تھی
آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے صوفے پر گر رہے تھے۔
اور آنکھیں جھپکائے بغیر ٹکٹکی باندھ کر وہ نسیم کی طرف دیکھے جا رہی تھی
نسیم نے اس بار نرمی اور آہستگی سے کہا
جاؤ زوبی اپنے کمرے میں چلی جاؤ
اس طرح تم شوہر کی نظروں میں گر جاؤ گی
گھر کے ملازموں میں تمہاری کوئی وقعت نہ رہے گی
جاؤ زوبی۔ جاؤ اپنے کمرے میں
زوبی اٹھ کھڑی ہوئی
ساڑھی کے پلو سے آنسو پونچھتی ہوئی خاموش خاموش وہ کمرے سے باہر نکل
گئی۔
نسیم کا من بھی دکھی ہو گیا۔ زوبی نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کر کے اس کے
دل کے تار ہلا دیئے تھے مگر اب وہ اسے اپنانا نہیں چاہتا تھا اس میں پھر نئی
نئی الجھنوں میں پڑنے کی ہمت نہ تھی۔
زوبی ایک بار اسے دھوکا جو دے چکی تھی۔
ملازمہ کھانا لے آئی

نسیم کا کھانے کو جی نہ چاہ رہا تھا اس نے پانی کا ایک گلاس پیا اور بوٹ پہن
کر پھر باہر چلا گیا۔
شام ہو گئی
دھندلکے گہرے ہو کر سیاہ تاریکی کا روپ دھار گئے
باہر ہوائیں چنار اور صنوبر کے بوڑھے درختوں سے ٹکرا کر چیخ رہی تھیں۔
بالکل پاگل روحوں کی طرح
درخت جھوم رہے تھے بدمست ہاتھوں کی طرح
ہوائیں سنسناتی ہوئیں تیز ہی تیز ہوتی جا رہی تھیں
شاید
کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا تھا
زوبی دوپہر سے اپنے کمرے میں بند پڑی رو رہی تھی ملازمہ غمگین تھی
زوبی نے دوپہر کا کھانا بھی نہ کھایا تھا۔ وہ رو رہی تھی اپنی بدبختیوں کی سیاہ
شام پر
کوئی اس کے غم کو نہ سمجھ رہا تھا
کسی نے اس کا دکھ جاننا نہ چاہا
اس کا من رو رہا تھا
روح سلگ رہی تھی
جسم جیسے بخار میں تپ گیا تھا
اس کا تکیہ بھیگ چکا تھا رو رو کر

کافی دیر بعد باہر کار کے انجن کی گڑ گڑاہٹ سنائی دی وہ سنبھل گئی۔
شاید عابد اور نسیم آ گئے تھے۔
کمرے میں رکھی ہوئی صراحی سے اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے
منہ تولیے سے صاف کیا اور بند دروازے کے شیشوں میں سے باہر دیکھنے
لگی۔
برآمدے میں نسیم عابد کو سنبھالے اس کے کمرے کی طرف لے جا رہا تھا وہ
پاگل پن میں یونہی واہی تباہی کیے جا رہا تھا
شاید
آج اس نے زیادہ ہی پی لی تھی
زوبی نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا
ٹھیک ہی تو کیا تھا اس نے
عابد نے کون سا اسے سکھ دیا تھا
نہ کبھی چاہت کا اظہار
نہ اس کی احوال پرسی
یہ بھی کوئی زندگی تھی بھلا
کیا مزہ تھا ایسے جینے میں
اور پھر شرابی شوہر سے اور امید بھی کیا ہو سکتی تھی۔
اسے تو شراب چاہیے تھی۔
بس شراب

بیوی مرے یا جیئے۔
غم میں روتی رہے یا جلتی رہے
اسے کیا غرض
ایسے ہی تعلقات زوبی اور عابد کے تھے وہ اس سے لاتعلق تھا اور نہ
اس سے بے پرواہ دونوں کے مابین بے تعلقی کی جھیل نے بڑھنا تو تھا ہی۔
بڑھی اور خوب بڑھتی چلی گئی
زوبی نے دیکھا کہ نسیم اُداس اُداس اور اُلجھا اُلجھا سا تھا عابد کو اس کے
کمرے میں چھوڑ کر وہ برآمدے میں سے ہوتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا
زوبی نے دروازہ کھولا اور باہر آ گئی برآمدے میں کھڑے ہو کر شبنم سے
بغیر ہوتی ہوئی ٹمٹماتے بلبوں کی دھندلی دھندلی روشنی میں اس نے اِدھر اُدھر
دیکھا۔
کوٹھی میں ہو کا عالم تھا
ملازمائیں سو چکی تھیں
ہوا کا زور پہلے کی نسبت کم ہو چکا تھا۔
پورا ماحول اُداس اُداس تھا ہر سو خاموشی ہی خاموشی تھی۔
زوبی کا جی گھبرانے لگا۔
وہ گھٹن محسوس کرنے لگی ایسے پر ماحول سناٹے میں
وہ بائیں طرف مڑی۔ عابد کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور
دوبارہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

وہ سر جھکائے ہوئے تھی
کچھ سوچ رہی تھی
کوئی بہت بڑا فیصلہ کرنے کی خاطر
شاید
اپنی زندگی کا رخ وہ موڑ دینے کی فکر میں تھی
اچانک وہ چونک سی گئی نیم کے کمرے سے ہچکیوں کی آواز آ رہی تھی وہ اُٹھ گئی۔
یمانی دروازہ آہستگی سے کھولا۔ اور دروازے کا ایک پٹ نیم وا کر کے اس نے
ر جھانکا
وہ لرز گئی
اس کی روح جیسے سلگ اُٹھی
در و دیوار گھومتے دکھائی دینے لگے
گول میز کے قریب نسیم کھڑا تھا اس کے ایک ہاتھ میں بوتل اور دوسرے میں
اس تھا۔
اور وہ شراب پی رہا تھا۔
گلاس پہ گلاس چڑھا رہا تھا
انجام سے بے خبر اپنے آپ سے بے پرواہ
بس پی رہا تھا
دھڑا دھڑ
زوبی کو طیش آگیا نہ جانے کیوں

غصے میں دروازہ کھول کر وہ بے محابا اندر داخل ہو گئی
نسیم کے ہاتھ سے اس نے بوتل چھین لی
کیوں پی رہے ہیں شراب
نسیم ہوش میں تھا ابھی تک بہکا نہ تھا
چھوڑ دو
بھٹک جانے دو میری سلگتی روح کو
مجھے سکون چاہیے سکون میں تھک گیا ہوں تکلیف کی زندگی سے میرا
چھلنی ہے میری روح زخمی ہے۔
بس تم مجھے بھٹک جانے دو
سب کو بھول جانا چاہتا ہوں اپنے آپ کو بھی
ہاتھ بڑھا کر اس نے زوبی سے بوتل چھین لی
ایک اور گلاس بھرا اور جونہی منہ سے لگایا۔ زوبی نے اس کا ہاتھ پکڑ
کھینچ لیا۔ شراب چھلک کر فرش پر گر گئی زوبی برس پڑی
میں آپ کو شراب نہیں پینے دوں گی
میں نہیں بھٹکنے دوں گی آپ کو
میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔
نہیں دیکھ سکتی
تڑاخ
اس نے نسیم کے گال پر طمانچہ رسید کر ڈالا

نسیم کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر فرش پر گر گئی
گاڑھا گاڑھا سرخی مائل مادہ فرش پر بہہ گیا
زوبی اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر ایک دوسرے پر مارنے لگی تھی۔
ے وہ ان ہاتھوں کو سزا دینا چاہ رہی ہو جو بے خیالی میں نسیم پر اٹھ گئے تھے
غصے میں نسیم نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں
شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ کی سختی برداشت نہ کر سکا اور چھن سے ٹوٹ

شیشے کی نوکیلی کرچیں اس کے ہاتھ میں کھب گئیں

اور

گرم گرم سرخ خون بہنے لگا۔
زوبی بیتاب ہو گئی
نسیم کا ہاتھ پکڑ کر وہ اپنے چہرے پر رگڑنے لگی۔ تیزی سے رستے ہوئے
ے سے اس کے گال پیشانی ہونٹ ناک اور آنکھیں تر ہو گئیں
یکایک ہی وہ چونک پڑی
اپنی ساڑھی کا پلو پھاڑا اور بڑے پیار سے نسیم کے ہاتھ پر پٹی باندھ دی۔
نسیم ابھی تک گم سم کھڑا خلاؤں میں گھور رہا تھا
زوبی اس سے لپٹ گئی اور اس کی چھاتی پر سر رکھ دیا
معاف کر دیجیے مجھ سے غلطی ہو گئی بے خیالی میں میرا ہاتھ آپ پر اٹھ گیا
نسیم نے کوئی جواب نہ دیا اپنے آپ کو چھڑا کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

زوبی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
کہاں جا رہے ہیں
اپنے گھر۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا
شاید
شراب کا نشہ اپنا کام کر رہا تھا
میں نہیں جانے دوں گی آپ کو چلیے اپنے پلنگ پر لیٹ کر آرام کیجیے۔
زوبی نے اسے پیچھے دھکیلا
نسیم طیش میں آ گیا تھا
ہٹ جاؤ پیچھے۔ میں گھر جاؤں گا۔ اپنے گھر
بھابی میری منتظر ہو گی
شازیہ مجھے یاد کر رہی ہو گی
عقیل میرے لیے اداس ہو گا
ٹیرس پر لوانے دروازہ ابھی تک بند نہیں کیا ہو گا
مجھے جانا چاہیے ضرور جانا چاہیے
زوبی کو ایک طرف ہٹا کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا
کمرے میں کھڑے ہو کر زوبی کچھ دیر سوچا پھر وہ پورچ کی طرف بھاگی۔ کار سٹارٹ کی اور بڑے گیٹ سے باہر نکل گئی نسیم سڑک کے ساتھ ساتھ ایک طرف جا رہا تھا کہ زوبی نے اس کے قریب کار لا کھڑی کی۔ بڑی تیزی کے ساتھ وہ نیچے اتری اور کار کا دروازہ کھلا چھوڑ کر وہ نسیم کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

چلیئے بیٹھئے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں

نسیم اب اچھا خاصا بہک رہا تھا

میں ——— میں چلا جاؤں گا ——— تم ——— تم جاؤ

مجھے بہک جانے دو مجھے ختم ہو جانے دو

زوبی اس سے لپٹ سی گئی

زبردستی گھسیٹ کر اس نے اسے کار میں اپنے ساتھ اگلی نشست پر لا بٹھایا

کار چلتی رہی دونوں چپ چپ بیٹھے تھے تھوڑی دیر بعد گھر آگیا۔ زوبی نے کار روک دی اور دروازہ کھولتے ہوئے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

چلیئے جایئے گھر

نسیم اتر گیا چلتے ہوئے وہ ڈگمگا رہا تھا

اس کی حالت دیکھ کر زوبی غم میں پگھل گئی

اس کا دل دکھ گیا

اور پلکوں میں چھپے ہوئے بادلوں کی جھڑی لگ گئی

نسیم نے دروازے پر دستک دی

زوبی ابھی تک ویسے ہی کار میں بیٹھی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا۔

نسیم کے ساتھ اندر چلی جائے۔

ناہید باجی کے پاؤں پر گر کر معافی مانگ لے

اپنی بچی کو خوب بھینچ بھینچ کر پیار کرے

مگر

مگر

مجبور تھی اندر کیسے جا سکتی تھی

حویلی کے دروازے تو ہمیشہ کے لیے اس پر بند ہو چکے تھے۔

اندر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ناچار کار سٹارٹ کر کے وہ چلی گئی۔

تیمزن بوا نے دروازہ کھولا۔ گھر کے سب افراد ابھی تک جاگ رہے تھے بہکتا بہکتا اور ڈگمگاتا ہوا جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ناہید، شازیہ اور عقیل بھی اندر آگئے شازیہ اور عقیل بھاگ کر اس سے لپٹ گئے۔ ناہید اس کا زخمی ہاتھ اور بدلی بدلی سی حالت دیکھ کر فکرمند ہو گئی جونہی وہ اس سے قریب ہوئی نسیم کے منہ سے اٹھتی ہوئی شراب کی بو سے وہ سب کچھ سمجھ گئی۔

ناہید بپھر گئی غصّے میں

تو تم نے شراب بھی پینا شروع کر دی

نسیم جھوم رہا تھا

ہاں بھابی آج میں نے خوب پی ہے۔ جی بھر کر پی ہے۔ آج میں سب کچھ بھول گیا ہوں

ایک۔ دو۔ تین

طمانچے ناہید نے اس کے منہ پر دے مارے۔

شراب کو منہ لگانے سے قبل تم نے یہ کیوں نہ سوچا

کہ تم ایک جوان بہن کے بھائی ہو

ایک معصوم بچی کے باپ

اور

اور ایک یتیم بھتیجے کے سر پرست ہو
تم کیوں بھول گئے خاندان کی شرافت کو
کس نے کہا نشے کی حالت میں تمہیں گھر آنے کو
جاؤ چلے جاؤ یہاں سے میں خود اٹھا لوں گی گھر کا بوجھ
لیکن

لیکن ایک شرابی بھائی کی بہن نہیں کہلاؤں گی
کبھی نہیں کہلاؤں گی ناہید رو پڑی
نازیہ اور عقیل تڑپ کر پیچھے ہٹ گئے
نسیم نے بڑی حیرت سے کہا
تم نے بھی مجھ پر ہاتھ اٹھا لیا بھابی! کس چاہت سے تم نے مجھے پڑھایا۔ کس پیار سے میری پرورش کی
کیا اسی دن کے لیے کہ تم اس بے دردی سے ہاتھ اٹھاؤ مجھ پر
میرے مقدر میں تو پہلے بھی تھپڑے ہی تھپڑے ہیں بھابی! اب تم کون سی کمی پوری کرنے لگی ہو۔
ناہید نے بھی اسی طرح کا جواب دیا
شوہر کے مرنے کے بعد
میں نے تمہیں پڑھایا
تمہاری پرورش کی
تمہیں ماں کی ممتا دی
بہن کا پیار دیا
تمہارے دکھ کو اپنا دکھ
اور تمہارے غم کو اپنا غم جانا
تمہارے ساتھ زمانے نے مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی
لیکن میں نے برداشت کیا
تمہاری خاطر سب کچھ جھیلا
کیا یہ سب کچھ اس دن کے لیے تھا؟
کہ تم ممتا کی لاش بن کر آؤ
بہن کے پیار کا خون کر کے آؤ
نہیں نہیں
مجھے ایسا بھائی نہیں چاہیے
دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور روتی ہوئی باہر نکل

نازیہ اور عقیل بھی سسکتے ہوئے باہر چلے گئے
رے میں خاموشی چھا گئی
نسیم آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا۔
ہاں شرابی ہوں۔ میں شرابی ہوں۔ ہا ہا ہا ہا
اندھے سماج تو نے مجھ سے انسانیت سوز انتقام لیا۔

کیا میں انسان نہ تھا

کیا میرا خدا نہ تھا

ہوں

لیکن تو کیا جواب دے گا

تو اندھا ہے تیرا رواج بیرا ہے

تو ——— تو امید کی طرف انگلی اٹھا کر اس کے گناہوں کی نشاندہی نہیں کر

ہاں

غریب کی خامیاں تو خوب اچھالتا ہے

جانے وہ کب بڑبڑاتا ہوا سو گیا

صبح جب سو کر اٹھا تو سخت شرمندہ تھا۔ تولیہ اٹھا کر وہ غسل خانے کی

چلا گیا۔ نہا کر واپس آیا تو عقیل اس کے کمرے میں آیا اور ناشتے کی ٹرے رکھ کر باہر

گیا اس کی آنکھیں سرخ تھیں جیسے ساری رات روتا رہا ہو۔ نسیم نے بال درست کئے

ناشتے کی ٹرے پر ڈالی۔ پھر باہر آکر ناہید کے کمرے کی طرف گیا وہ اندر بیٹھی سسک

کر رو رہی تھی۔ تمیزن بوا اسے تسلی دے رہی تھی۔ قریب ہی شازیہ بھی بیٹھی تھی وہ

بھی رو رہی تھی۔

نسیم دروازے کے قریب رک گیا

ناہید کی حالت دیکھ کر دل جیسے پھٹ گیا

پلکیں بھیگ گئیں

بڑے پرسوز انداز میں وہ ہولے سے پکارا

جانی!

ناہید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا

اف

اور رو کر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں نسیم کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

نسیم کے ذہن میں ہلچل مچ گئی

تھوڑی دیر وہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر ضبط کرتا رہا

لیکن

لیکن یکلخت ہی وہ بھاگا اور ناہید کے قدموں پر گر گیا

معاف کر دو جانی

تم میری ماں ہو

تم میری بہن ہو

میں تمہیں غمگین نہیں دیکھ سکتا

میں ایک بھول ہو گئی ہے جانی۔ ایک بار معاف کر دو

پھر

کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا

تو دو جانی معاف کیا

تمیزن بوا کا دل پسیج گیا۔ ناہید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

معاف کر دو بھئی اب تو بھائی بہن کے قدموں پر گر گیا ہے۔

بری طرح ناہید کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

ناہید کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی
آنکھوں میں آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ شاید خوشی کے آنسو تھے وہ

اچانک ناہید نے نسیم کو شانوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اپنے ساتھ لپٹا لیا۔
نسیم مسکرا پڑا۔ ناہید نے اس کی پیشانی چوم لی
دونوں بہن بھائی مسکرا رہے تھے۔ عقیل اور شازیہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی
تمیز نے اس خوشی میں اور اضافہ کیا۔
چلو سب اکٹھے چل کر ناشتہ کرو۔ سب ڈرائنگ روم کی طرف چل دیئے۔
اتنے میں چاندنی حویلی میں داخل ہوئی نسیم بڑے تپاک سے پیش آیا۔
آؤ چاندنی!
نسیم نے سب سے پہلے ناہید عقیل اور شازیہ سے اسے متعارف کرایا
پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا
آج صبح ہی صبح کیسے آ دھمکیں؟
بانو نے بھیجا ہے
کیوں؟
آپ کو لانے کے لیے
کوئی خاص وجہ ہے کیا؟
نہیں آپ اتنے دن نہیں آئے۔ اس لیے وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔
روپا کیسی ہے
خوش ہے
میرے گھر کا پتہ چل گیا؟
ہاں پہلے میں ان کے ہاں گئی تھی۔ لیکن ملازمہ سے پتہ چلا آپ وہاں نہیں اس لیے ہاں چلی آئی
میں آج رات یہیں تھا۔ چلو آؤ ناشتہ کرو
چاندنی کچھ کچھ بولنے لگی
ناشتہ تو میں کر کے آئی ہوں آپ چلیں میرے ساتھ
نسیم نے اسے مجبور کیا
ارے آؤ چھوڑو تکلف نہ کرو۔ پہلے ناشتہ کرو۔ پھر ان کے ہاں سے ہو کر چلتے

چاندنی آگے بڑھی
نسیم نے غور سے اس کی طرف دیکھا
اس کی ساڑھی کے پلو میں بیلے کی سفید سفید کلیاں تھیں
وہ سب سمجھ گیا
چاندنی نے آگے بڑھ کر شازیہ کو اٹھا لیا
یہ آپ کی بیٹی ہے؟
ہاں۔ نسیم نے مسکرا کر کہا
بڑی پیاری بچی ہے
سب کھانے کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

چاندنی بالکل نسیم کے سامنے بیٹھی
شازیہ نسیم کی گود میں بیٹھ گئی
تمیز نے سب کے سامنے برتن سجانے لگیں۔
چاندنی نے سب کی نگاہیں بچا کر میز کے نیچے سے ساڑھی کے پلو سے بیلے کی کلیاں نکال کر نسیم کے قدموں میں ڈال دیں۔
ناشتہ کے بعد نسیم سب کے سامنے چاندنی کے ساتھ ملاقات کی سرگزشت سنانے بیٹھ گیا۔

۲۶

وہ رات سخت طوفانی تھی بادل گڑ گڑ آ رہے تھے۔ گہرے سرمئی رنگ کے بادل اہ ہولیوں کی طرح آسمان پر بھاگے جا رہے تھے سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوائیں مچل لا رہی تھیں۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی کی چمک نگاہوں کو حیران کئے جا رہی تھی۔
پھر بارش شروع ہو گئی
موسلا دھار بارش
آسمان سے چھاجوں مینہ برسنے لگا
ہوا کا زور کچھ تھم گیا
اور بارش پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی
وجاہت اور نوٹی کمرے میں چپ چاپ بیٹھے تھے کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بج

ٹرن ٹرن

وجاہت نے اُٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کوئی عورت بول رہی تھی۔
یکایک ہی وجاہت کا چہرہ فق ہو گیا۔ ریسیور انہوں نے فون پر پٹخ دیا اور دوبارہ کرسی پر دھم سے آ کر گر گئے

نومی فکر مند ہو گئی

کیا بات ہوئی ابا جان!

وجاہت کچھ چبا رہے تھے

کچھ نہیں بیٹی!

بات تو کچھ ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔

وہ ——— وہ اپنی ———

نازک کیوں گئے

وہ انیلہ ہے نا اپنی؟

ہاں ہاں

وہ مر گئی

اچھا ——— نومی کے انداز میں حیرت کا اظہار تھا

اختر اور اظہر بھی مر گئے

وہ کیسے؟

بس تمہیں بتانے کی بات نہیں بیٹی! صبح تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا
خون کس نے کیا ہے۔

اختر کی ملازمہ بول رہی تھی

وجاہت نے بات ختم کرنا چاہا

جاؤ بیٹی! اٹھ کر سو جاؤ

نومی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی

وجاہت بھی اٹھے اور پلنگ پر دراز ہو گئے

بارش اب بھی اسی طرح برس رہی تھی۔ کبھی کبھی جب بجلی چمکتی تو زمین جل تھل نظر آتی اور یوں محسوس ہوتا جیسے دریا کا کوئی بند ٹوٹ کر سیلاب آ گیا ہو

دوسرے روز صبح ہی صبح وجاہت ناشتہ کے بعد بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے
نومی بھی ان کے سامنے برآمدے میں بیٹھی تھی مطلع اب صاف ہو چکا تھا۔ کوئی اکا دکا بادل آسمان پر رہ گئے تھے وہ بھی اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے روپوش ہوتے جا رہے تھے۔

اچانک وجاہت کو کوئی بات سوجھی اخبار بند کر دی اور نومی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے

بیٹی وہ اپنا نسیم ہے نا

نومی غور سے ان کی طرف دیکھنے لگی

جی! کیا ہوا انہیں

میرا تو کچھ بھی نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ جیسا کہ زوبی نے بتایا ہے نسیم طلاق کے معاملے میں بالکل بے قصور ہے۔ غلطی ساری انیلہ اور خود زوبی کی ہے۔

جی ہاں۔ اس معاملہ میں وہ بالکل بے گناہ ہیں۔ جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے

ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے

میں بھی دن رات یہی سوچتا رہتا ہوں۔ دراصل نسیم کو میں اپنا بیٹا سمجھنے لگا تھا۔ لیکن زوبی کی کوتاہ اندیشی نے میری ساری آرزوئیں پامال کر دیں

میں نے اسے بہت سمجھایا تھا ابا جان! لیکن زوبی نے خود حالات کو ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ چلو اچھا ہی ہو گیا۔ اسے اونچی سوسائٹی چاہیے تھی وہ اسے مل گئی ہے بس وہ خوشی سے اپنی زندگی بسر کرے الٰہی میں ہماری بھی خوشی ہے۔

لیکن نسیم کی زندگی تو تباہ ہو گئی مجھے اس کی حالت دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے۔

جو ہونا تھا ہو گیا اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔

لیکن میرے ذہن میں ایک خیال ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس میں تمہاری ہاں کی ضرورت ہے۔ اس طرح ہمارے اس کے ساتھ تعلقات پھر استوار ہو جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی زندگی بھی سنور جائے گی۔

نومی کچھ چھپنے گئی

ایسا کون سا خیال آپ نے سوچ لیا ہے۔

میرا ارادہ ہے ——— نسیم اور ———

وہ رک گئے

نومی کے جواب سے ان کی کچھ ہمت بندھی

کہیے نا۔ آپ رک کیوں گئے

میں ——— میں چاہتا ہوں ایک بہن نے نسیم کے دل پہ چوکا لگایا ہے تو دوسری بہن اس کا علاج بن جائے تاکہ اس کی زندگی سلگنے سے بچ جائے۔

آپ کا مطلب ہے

وہ شرما گئی

میں مجھ نہیں کروں گا بیٹی۔ تم اگر اس کے ساتھ شادی کرنے پہ رضامند ہو تو میں آج ناہید کے ساتھ اس سلسلہ میں بات کروں گا۔ نہیں تو جو بھی تم کرو گی اور فیصلہ کروں گی۔ میرے لیے آخری اور قطعی ہو گا۔

نومی کسی سوچ میں پڑ گئی

وجاہت پھر بولے

اب تو وہ بچارہ خوب کمانے میں لگا ہے۔ زوبی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ عابد کا سیکرٹری ہے تنخواہ بھی اب اس کی ایک ہزار روپیہ ماہانہ ہے تم اگر اس سے شادی کے لیے رضامند ہو جاؤ تو میرا خیال ہے میں اپنا سارا کاروبار اسے سونپ دوں گا تمہاری طبیعت زوبی سے کافی مختلف ہے میرا خیال ہے وہ تمہیں ضرور خوش رکھے گا ویسے بھی آج کل کے آوارہ لڑکوں سے وہ مختلف ہے پڑھا لکھا ہونے کے باوجود بہت منکسر مزاج ہے۔ شائستہ رفتہ کردار کا مالک ہے تمہیں اگر اس بارہ میں سوچنے کے لیے وقت چاہیے تو وہ بھی میں تمہیں دے سکتا ہوں

نومی نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا

ابا جان! ان کی تنخواہ اگر کچھ بھی نہ ہوتی تو بھی میں آپ کے اس فیصلے سے انکار کرتی میرے بارے میں آپ اپنا ہر فیصلہ آخری سمجھیں۔ میں کسی مرحلے پر بھی دکھ اظہار نہیں کروں گی۔

نومی اپنی جگہ سے اٹھ گئی

وجاہت مسکرا دیئے

مجھے تم سے یہی اُمید تھی بیٹی میں آج ہی ناہید سے جا کر بات کروں گا

نومی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی

وجاہت پھر بول پڑے

میں نے زوبی کو فون کر دیا ہے بیٹی تھوڑی دیر تک وہ یہاں آ جائیں گی تم دونوں انیلہ کی تقریب کے لیے چلے جانا میں بھی وہاں سے ہو کر پھر ناہید کے پاس جاؤں گا مجھے اُمید ہے میرے اس فیصلہ پر وہ یقیناً خوش ہو گی

نومی اندر چلی گئی

تھوڑی دیر بعد زوبی بھی آ گئی وہ سخت پریشان اور اُداس دکھائی دے رہی تھی۔ چپ چاپ وہ نومی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ نومی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

کیا بات ہے یہ تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے۔

بس جس گھر میں سکون نہ ہو۔ وہاں ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔

تمہیں کیا دکھ ہے وہاں؟

اور

زوبی نے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر بکھیری

تمہیں ہی دکھ ہیں وہاں

بڑھاپے میں داخل ہوتا ہوا شرابی شوہر

کمروں میں اڑتی ہوئی شراب کی تعفن آمیز بو

بیوی کا خیال نہ اپنی پرواہ

بس

شراب چاہیے دن رات

لعنت ہے اس اُونچی سوسائٹی پر

ہے دولت کے ان پجاریوں پر جو دوسرے کے جذبات کچل دیتے ہیں۔

میں

میں تو تنگ آ گئی ہوں اس زندگی سے ایسے شرابی۔ ذلیل اور آوارہ شوہر کے ساتھ اب نہیں رہوں گی۔

میں تو اب اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔ کہیں اور شادی کر لے میں ایسے گھٹیا ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔

اور پھر نسیم کی موجودگی نے تو میرا سارا سکون لوٹ لیا ہے میں اب وہاں نہیں رہوں گی نہیں رہوں گی وہاں

میں ——— میں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گی

میں طلاق لے لوں گی اس سے

بس مجھے کچھ نہیں چاہیے

نومی طیش میں آ گئی

کب تک شوہر بدلتی رہو گی۔ اونچی سوسائٹی اور دولت کی خاطر تم نے نسیم سے طلاق اب امارت کے شیش محلوں سے نکل کر کہاں جانا چاہتی ہو کونسا نیا راستہ اختیار کرو نسیم کی وہاں موجودگی کی وجہ سے اگر تمہاری زندگی تلخ ہو گئی ہے تو میں انہیں کہہ

دوں گی

نسیم جس دن وہاں سے نکلا۔ میرا بھی اس گھر میں وہ آخری دن ہوگا۔ وہاں اس کی موجودگی ہی تو میرے لیے سکون کا سبب ہے ورنہ وہ گھر

جہنم ہے دہکتا ہوا

کوئی رونق نہیں وہاں

گھر کے ہر فرد کے چہرے سے کسی نے جیسے مسکراہٹ ہی چھین لی ہو۔

تو پھر تم چاہتی کیا ہو

میں

میں ——— وہ ——— بس

بس میں نسیم کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لوں گی ایک بار مجھے دوبارہ ان قدموں میں جگہ مل جائے پھر کبھی نہ چھوڑوں گی انہیں۔ میں ان کی محبت بھول نہیں سکتی۔ اپنی بچی کا پیار میں فراموش نہیں کر سکتی میں ممتا کی لاش کو زیادہ دیر تک نہیں گھسیٹ سکتی

نوبی حیرت زدہ سی رہ گئی

تو کیا تم اب بھی نسیم سے محبت کرتی ہو

زوبی نے بے دھڑک کہا

ہاں۔ میں نے دوسری شادی کر کے ان کی محبت کو کھوکھلے قہقہوں میں دفن کرنا چاہا

مگر ایسا نہ ہو سکا میں ناکام ہو گئی اور محبت کی تلخی اور زیادہ تیزی کے ساتھ مجھ پر مسلط ہو گئی

نوبی خاموشی سے کچھ سوچنے لگی اس نے سر جھکا لیا نہ جانے کیوں

زوبی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا

ابا جان کہاں گئے ہیں

بے خیالی میں نوبی کے منہ سے نکل گیا

ناہید باجی کے پاس گئے ہیں

کیوں؟ کب سے جانے لگے ہیں وہ وہاں

آج ہی گئے ہیں ایک ضروری کام سے

زوبی نے پریشانی سے کریدا

کیا کام پڑ گیا تھا

نوبی سچائی پر اتر آئی

رشتے کی بات کرنے گئے ہیں

زوبی بوکھلا گئی

کس کا رشتہ؟

میرا اور نسیم کا

زوبی کانپ گئی دل بجھ کر ڈوبنے لگا

اس کی روح لرز لرز گئی

نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میں جی نہ سکوں گی میں بکھر کر رہ جاؤں گی۔

اچانک وہ نوبی کے قدموں پر گر گئی

یہ سب کچھ روک لو نوبی۔ میں مر جاؤں گی۔ نسیم کے بغیر میں زندہ نہ رہ سکوں گی اس کی سالی کے روپ میں ایک پل بھی نہ جی سکوں گی خدا کے لیے نوبی ایسا مت کرو۔ نسیم میری آخری منزل ہے ان کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے۔

زوبی نے اس کے قدموں پر اس طرح سر پٹخ دیا جیسے سانس تھامی ہو
نومی نے اسے اٹھایا اور پلنگ پر لٹا دیا۔ زوبی واقعی بے ہوش ہو چکی تھی۔
نومی گھبرا گئی
اسے ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگی
اور
اور ساتھ ساتھ روتی بھی جا رہی تھی
کافی دیر بعد زوبی نے آنکھیں کھولیں اور نومی کی طرف دیکھا
اس کی خوبصورت آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی تھی
نومی اس کی حالت دیکھ کر لرز گئی
بہن سے محبت جو کرتی تھی بیچاری
زوبی نے اس کی طرف دیکھتے ہی دکھ سے کہا
نومی! اگر تم بھی نسیم سے محبت کرنے لگی ہو تو میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ تم میری بہن ہو میں اپنی جھولی میں تلخیاں اور آہیں ڈال لوں گی مگر تمہارے راستے سے ضرور ہٹ جاؤں گی۔
نومی روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی
نہیں نہیں میں ان سے شادی نہیں کروں گی تمہاری خاطر میں سب کچھ کر گزروں گی میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔
دونوں بہنیں بری طرح رو دی
جلد ہی زوبی سنبھل گئی نومی کو بھی چپ کرایا اور دونوں بہنیں پھر ساتھ ساتھ بیٹھ گئیں نومی نے تلخی کو بھول جانے کی خاطر نیا موضوع چھیڑا
زوبی
جی

انیلہ کو کیا ہوا؟
زوبی نے سنجیدگی سے کہا
بدنصیب خود تو مری ساتھ ان دونوں بھائیوں کو بھی لے ڈوبی
مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے؟
اختر ہسپتال میں داخل تھا۔ انیلہ پیچھے اظہر کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہی آج جب وہ ہسپتال سے گھر واپس آیا تو دونوں ایک ہی کمرے میں قابلِ اعتراض حالت میں تھے۔ اختر کو طیش آگیا۔ اس نے موقع پر ہی اظہر اور انیلہ کو گولی مار دی بعد میں جبکہ پولیس گھر میں داخل ہو رہی تھی اس نے اپنے آپ کو بھی گولی مار کر خودکشی کر لی
نومی نے اپنا فیصلہ سنایا
یہ سب اس کے گناہوں کی سزا ہے اس نے ناہید باجی پر تہمت لگائی مگر خود اس مرض کا شکار ہو کر تباہ ہو گئی خدا غریب کی فریاد ضرور سنتا ہے اس نے پروین جھوٹی اختر باندھی تھی
زوبی خاموش رہی
نومی پھر بولی
چلو پھر ہو آئیں اس کے ہاں سے
زوبی کھڑی ہو گئی

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے پورچ کی طرف چل دیں۔

۲۷

سورج غروب ہو گیا
شفق پھولی اور اوجھل ہو گئی

شاید آج چاند رات نہ تھی اس لیے اندھیرا پھیلنا شروع ہو چکا تھا۔ فضائیں دھلی دھلی سی تھی مگر ہوا کی سرسراہٹ میں جانے کیوں اداسی سی رچی ہوئی تھی۔

اندھیرے بہت جلد پھیل گئے

اور

اور تاریکیاں ہر سو بوجھل بوجھل اور اداس نغمے گنگنانے لگیں

نسیم جب گھر داخل ہوا تو تمیزن بوا نے کھانا لگا دیا سب نے ایک ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ عقیل پڑھنے کے لیے اٹھ گیا۔ شاذیہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی تمیزن باورچی خانہ میں برتن دھونے لگی۔ نسیم اور ناہید ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ ناہید

جیسے اسی موقع کی تلاش میں تھی۔ اپنے سامنے پڑا ہوا پانی کا گلاس ایک طرف ہٹاتی ہوئی بولی

نسیم! آج وجاہت آئے تھے۔

نسیم چونک پڑا

کیوں؟

نوی کا رشتہ وہ تمہارے لیے دے رہے ہیں وہ بیچارے سخت پشیمان ہیں کہہ رہے تھے زوبی کی کوتاہ اندیشی کے سبب دونوں خاندانوں کے درمیان خلا پیدا ہو گیا ہے وہ اسے اس طرح بھر دینا چاہتے ہیں

نسیم نے صاف جواب دے دیا

میں اب شادی نہیں کروں گا بھابی

لیکن کیوں؟

مجھ میں اب ایسے بکھیڑوں میں پڑنے کی سکت نہیں۔ زندگی جس طرح گزر رہی ہے بس ٹھیک ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا

تمہیں شادی کرنا ہوگی نسیم!

تم اس قدر بیتاب کیوں ہو بھابی۔ کہہ جو دیا ہے شادی نہیں کروں گا۔ اس کی بات آج کچھ الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔

مگر ناہید بھی آج اپنی بات منوانے پر تلی ہوئی تھی۔

محلے میں ہر وقت میرے کردار پر چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں۔

کیا

کیا تم چاہتے ہو۔ لوگ مجھ پہ انگلیاں اٹھاتے ہیں
اور میں چپ رہوں
محلے کی عورتیں شرافت پہ مجھے بوجھ سمجھیں
اور میں ضبط کرتی رہوں
سماج میرے دامن پہ داغ لگائے
اور میں منہ سے کچھ نہ کہوں
لوگ جو چاہیں تہمت باندھتے رہیں
اور میں اپنی صفائی میں ایک لفظ نہ کہہ سکوں
لیکن ایسا کون ہو
کوئی ہمارے تعلقات کو کیوں شک کی نگاہ سے دیکھے
زمانہ ہم پہ انگلیاں کیوں اٹھائے
سماج کیوں ہمیں جھوٹا الزام دے
معاشرہ ہم پر گندی کیچڑ کیوں اچھالے
تم نے اگر شادی سے انکار کر دیا
تو
تو لوگ ہر افواہ کو سچ جانیں گے
زمانہ قہقہے برسائے گا۔
لوگ تالیاں بجائیں گے
میں یونہی بدنام ہو جاؤں گی

ہر ایک کی نگاہوں میں گنہگار کہلاؤں گی
کیا تم یہ سب کچھ برداشت کر لو گے
لیکن میں
میں تو ان حالات میں زندہ رہنا پسند نہ کروں گی
نسیم نے بڑے دکھ سے کہا
کتے بھونکتے رہتے ہیں بھابی! مسافر ان سے ڈر کر اپنی منزل سے منہ تھوڑا ہی موڑ لیتے ہیں۔ زمانہ اگر ہمیں ڈوب مرنے کو کہے تو کیا ہم ایسا کر گزریں گے
ناہید کی آواز گھگھیا گئی
سماج اور رواج میں فرق ہے نسیم!
نسیم اُٹھ کھڑا ہوا
کچھ بھی ہو بھابی میں شادی نہیں کروں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ آپ تو یونہی فکر مند ہو رہی ہیں جائیے جا کر آرام کیجیے۔
وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا
ناہید بھی اٹھ گئی
سخت سنسان رات تھی وہ۔ ہوائیں کھلی فضاؤں میں سائیں سائیں کر رہی تھیں تاریکی اپنی سیاہ خیری پھیلائے محو رقص تھی۔ ہر سو خاموشی ہی خاموشی تھی۔ نسیم کافی دیر سے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر نیند تھی کہ قریب تک نہ آ رہی تھی۔
وہ کروٹ پہ کروٹ بدل رہا تھا۔
ناہید کی باتیں اس کے ذہن میں کھولن پیدا کر رہی تھی اس کی روح ویران تھی

دل اُداس تھا۔ ذہن نامربوط سے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا
باہر ہوائی سائیں سائیں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔
کتے زور زور سے بھونک کر رو رہے تھے۔
دو رگھنٹہ گھر کے گجر نے بارہ بجائے لیکن نیند اب بھی اس سے کوسوں دور تھی۔
وہ سوچ رہا تھا
اپنے متعلق
زوبی کی بے وفائی اور اس کی جفا کا جائزہ لے رہا تھا۔
اس کا ذہن الجھا ہوا تھا
اس کی روح بھٹک رہی تھی
اپنے مستقبل کی ویرانیوں میں
ماضی اس پر خوش تھا
مگر حال اور مستقبل مکروہ قہقہے برسا رہے تھے۔
وہ الجھتا گیا
خیالات بکھر بکھر کر طویل ہوتے گئے
تپتے ہوئے افکار کی تہیں دبیز ہونے لگیں
وہ سراب کے پیچھے بھاگتا رہا
بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح
یونہی خلاؤں میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا جیسے اس کا سب کچھ وہیں کھو گیا ہو
کافی دیر تک اس کی ایسی ہی حالت رہی

خبر نہیں کب اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ سو گیا۔
صبح جبکہ سورج ابھی تک طلوع نہ ہوا تھا۔ تمیزن بوا نے اسے جگایا آنکھیں ملتا ہوا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تمیزن بوا اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی نسیم پریشان ہوگیا۔
کیا بات ہے خالہ جی۔ کیوں رو رہی ہو؟
وہ زیادہ ہی سسک پڑی
اس نے چادر ایک طرف ہٹا دی
کچھ مجھے بھی تو بتاؤ خالہ! آخر بات کیا ہوئی؟
اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک نیلے رنگ کا کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ نسیم نے کاغذ کو جیسے اچک لیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔ عبارت کچھ یوں تھی۔

اچھے بھیّا

جس وقت تم میرا خط پڑھ رہے ہوگے۔ میں تم سے بہت دور جا چکی ہوگی۔ ایک ایسی انجانی اور ان دیکھی دنیا میں جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آیا مجھے تمہارے دکھ کا ابھی سے احساس ہے تمہارا غم ابھی سے مجھ پر بوجھ بن گیا ہے۔ مگر میں مجبور ہوں بھیّا! سخت مجبور
زمانے نے مجھے غم اور دکھ کے سوا کچھ نہ دیا۔ معاشرے نے مجھے جلتی ہوئی چتا میں ڈال دیا۔ اس اندھے سماج نے میری راہوں کو پرخار بنا دیا۔ لوگوں نے مجھ پر تہمت لگائی۔ جھوٹی اور بے بنیاد۔ خودکشی حرام موت ہے یہ بھی جانتی ہوں مگر میں کیا کرتی بھیّا ایسا کرنے پر مجبور کر دی گئی ہوں۔

تم مرد ہو تم یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو۔ مگر میں سماج کے زہریلے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ معاشرے کے مکروہ قہقہے سننے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ لوگ مجھے گنہگار گردانتے ہیں میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی کب تک تمہارے ساتھ کانٹوں پر چلتی رہتی۔ میرے بھی جذبات ہیں۔ میں بھی دل رکھتی ہوں۔

خدا کو یہی منظور تھا بھیّا میرا تمہارا یہیں تک ساتھ تھا دیکھو بھیّا میری موت پر رونا مت تمہیں روتے دیکھ کر میری روح ہمیشہ کے لیے بے چین رہے گی تمہارے دو بازو ہیں عقیل اور شانزیہ بس ان کے ساتھ آگے بڑھتے رہو خدا کرے تم ہمیشہ خوش اور سکھی رہو :۔

تمہاری بدنصیب بہن ناہید

نسیم رو دینے والی آواز میں بڑبڑایا

تو کیا بھابی مر گئی۔ کیا میرا ان کا یہی تک ساتھ لیکن کیوں؟

ایسا کیونکر ہو گیا

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا

نہیں نہیں بھابی مر نہیں سکتی

وہ اُٹھ کر اس کے کمرے کی طرف بھاگا سامنے ناہید کی لاش پڑی تھی

نسیم کی آنکھیں جیسے پھٹ ہی تو گئیں

دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا۔

وہ بے تحاشا آگے بھاگا

بھابی؟

پلنگ کی پٹی پر زور زور سے سر پیٹتے ہوئے وہ بری طرح رو دیا

عقیل اور شانزیہ بھی جاگ گئے

تمیزن بوا بھی سب کچھ بھول گئی

سب رو رہے تھے اور

اور

کسی کو کچھ ہوش نہ تھا

تھوڑی دیر بعد چاندنی بھی آ گئی وہ شاید نسیم سے ملنے آئی تھی۔ مگر یہاں تو پورا گھر ہی ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ناہید کے پاس بیٹھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی محلے کی عورتیں گھر میں جمع ہو رہی تھی۔ نسیم اور ناہید کا کوئی ایسا رشتہ دار ہی نہ تھا جسے اس جوان کی موت کی اطلاع دی جاتی۔ صرف قریب قریب کی عورتیں آ رہی تھیں وہ بھی تقریب کی رسم پوری کرنے کی خاطر ورنہ کسی کے غم میں شریک ہونے کے بجائے ایسے موقع پر تو عورتیں آپس میں اپنے دکھ سکھ کھول بیٹھتی ہیں نسیم کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں ہو رہا۔ بس رو رہا تھا بچارہ بہن کے پاس بیٹھ کر۔ عقیل اور شانزیہ بھی دھاڑیں مار رہے تھے۔ ہاں تمیزن بوا بچاری رو بھی رہی تھی اور ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے گھر کا سارا انتظام بھی سنبھال رہی تھی۔ کیا کرتی بچاری اب وہی اس کا گھر تھا ناہید کو تو وہ بیٹی جاننے لگی تھی۔ اور پھر غریب تھی۔

غریب

جس کا دل نرم ہوتا ہے

اس لیے ناہید کی موت پر وہ خوب روئے جا رہی تھی ہلکے ہلکے بین بھی کر رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ڈوپٹے کے پلو سے آنسو بھی پونچھتی جا رہی تھی۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وجاہت، زوبی اور نومی بھی آ گئے۔ ان کے ساتھ عابد بھی تھا۔ شاید ان کو کسی کے ذریعہ ناہید کی موت کا پتہ چل گیا تھا صحن میں ایک طرف مرد بیٹھے تھے عابد ان میں جا کر بیٹھ گیا وجاہت زوبی اور نومی کے ساتھ اندر چلے گئے

اف

کمرے میں جاں گسل منظر تھا

نسیم سسک رہا تھا

شازیہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

اور عقیل

دھاڑیں مار مار کر ناہید کی لاش سے لپٹ رہا تھا

زوبی کے قدم جم کر رہ گئے

آنکھیں پتھرا گئیں

سانس رکنے لگا

روح ہوا میں تحلیل ہونے لگی

دل غم کی آگ میں پگھلنے لگا

پتھرا کر وہ ناہید کی لاش قریب گر گئی اور دھاروں دھار رونے لگی قریب ہی نومی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ محلے کی عورتیں زوبی کو اس گھر میں حیرت اور تعجب کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وجاہت کچھ دیر مبہوت سے کھڑے آنسو بہاتے رہے پھر نسیم کی طرف بڑھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

صبر کرو بیٹا! اٹھو اپنے کمرے میں چلو

نہ نسیم اٹھا نہ ہی ان کی طرف دیکھا

بس سر جھکائے سسکتا رہا

وجاہت نے شانوں سے پکڑ کر اسے اوپر اٹھایا

ہمت سے کام لو بیٹا۔ خدا کو یہی منظور تھا کسی کا اس میں کیا دوش

اپنے ساتھ لپٹا کر وہ اسے دوسرے کمرے میں لے گئے۔

زوبی اور نومی کے آنے سے گھر میں خوب کہرام سا مچ گیا نسیم اپنے کمرے میں تھوڑی دیر سسکتا رہا آخر وجاہت نے اس کی ڈھارس بندھا کر اسے سنبھالا دیا۔ کمرے سے اٹھ کر وہ باہر مردوں میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہاں عابد کافی دیر تک اس کی ہمت بندھاتا رہا۔ وجاہت نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ نومی کی شادی اس سے کر رہے ہیں لہٰذا اس کی محبت نسیم کے ساتھ اور گہری ہو گئی تھی۔

دوپہر سے بعد رونے کی آواز ذرا مدھم پڑ گئی۔ نسیم اٹھ کر پھر اندر آیا وہ شاید عقیل اور شازیہ کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ اب تک اسے ان کا خیال ہی نہ رہا تھا لیکن جب وہ اندر داخل ہوا اپنے حواس ہی کھو بیٹھا شازیہ پلنگ کی پٹی پر سر رکھے رو رہی تھی اور عقیل اس کی گردن پر اپنا بازو لپیٹے اسے تسلی دے کر چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نسیم کی نگاہوں کے گوشے پھر بھیگ گئے
منظر ہی کچھ ایسا دردناک تھا
وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا
اس کے قدم بوجھل ہو رہے تھے
پلنگ کے قریب کھڑے ہو کر گھگھیائی ہوئی آواز میں اس نے بڑے دکھ سے کہا
بھابی! کس جرم کی سزا دے کر جا رہی ہو
کس خطا کے بدلے کانٹوں میں الجھا کر جا رہی ہو ہمیں
یوں ہی اگر روٹھ جانا تھا
تو
تو ہمیں بھی زہر دے دیا ہوتا نا۔ تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ سکون کی نیند سو جاتے
ہم تینوں کو تڑپنے کے لیے کیوں پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہو
زوبی جو اب تک کچھ سنبھل گئی تھی
اس کے لیے یہ الفاظ
توبہ
بس نشتر ہی کا کام کر گئے
ماں کی آنکھوں سے سیلاب بہہ نکلا
ڈوپٹے کے پلو میں اپنا چہرہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو دی۔

آنی دیر میں میت کو غسل کے لیے اٹھایا جائے گا۔ نسیم باہر برآمدے میں آکر ایک ستون کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ میت جب حویلی کے دوسری سمت لے جائی گئی تو شازیہ بھاگ کر آئی اور نسیم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔
ابو جی! یہ چچی کو لے جائیں گے انہیں منع کر دیجیے۔
نسیم پگھل گیا
شازیہ بولے گئی
ابو! یہ چچی کو گڑھے میں دبا دیں گے انہیں روک لیجیے۔ یہ سب کچھ نہ ہونے دیں ابو! میں چچی کو نہیں لے جانے دوں گی اس نے نسیم کی ٹانگوں کو پورے زور سے جھنجھوڑ ڈالا
عقیل بھی آکر نسیم سے لپٹ کر رونے لگا
منظر بڑا جان لیوا تھا
نسیم بچارہ
اف اس پر مردنی چھا گئی تھی۔ خاموش کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔
شازیہ نے پھر اسے ہلا ڈالا۔
ابو! کیا ہم چچی کو اب یہاں نہیں رکھ سکتے بولیں نا ابو جی! چپ کیوں ہیں آپ
نسیم سسک پڑا
بس کرو شازی۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ
نیچے بیٹھ کر اس نے دونوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور جیسے پھٹ ہی پڑا۔

میرے پاس تمہاری باتوں کا کوئی جواب نہیں
تم دونوں کو میں حوصلہ بھی تو نہیں دے سکتا۔
میرے پاس کچھ نہیں رہا
میرے ضبط کے بند ٹوٹ گئے ہیں
میں
میں خود مٹ گیا ہوں
وہ دونوں کو لپٹا کر رو دیا

زوبی قریب ہی کھڑی تھی بھلا وہ یہ سماں کیسے برداشت کرتی لپک کر آگے بڑھی اور شانہ یہ کو اٹھا کر اسی کمرے میں لے گئی جو کبھی اس کا اپنا تھا۔ بعد میں نومی بھی آگے بڑھی اور وہ عقیل کو لے کر اندر چلی گئی اتنی دیر میں دوسری طرف سے تمیزن بوا آئی اور نسیم کو لپٹا کر اس کے کمرے میں لے گئی

روتے دھوتے شام سے کچھ پہلے ناہید کو دفن کر دیا گیا

سورج غروب ہونے کے بعد عابد واپس گھر چلا گیا تھا۔ زوبی وہیں رہ گئی تھی ویسے بھی وہ اس کے ساتھ ناراض تھی کئی دنوں سے وہ اس کے ساتھ بات تک نہ کر رہی تھی۔ وجاہت اور نومی بھی وہیں رہ گئے تھے چاندنی بھی وہیں تھی۔ بچاری تمیزن بوا نے روتے سسکتے کسی طرح کھانا پکایا۔ وجاہت عقیل کو اپنے سامنے بٹھا کر کھانا کھلانے لگے شانہ یہ روتے روتے زوبی کی گود میں سو گئی تھی۔ تمیزن بوا نے انہیں آکر جب کھانا کھانے کے لیے کہا تو زوبی نے اسے جگایا اور منہ ہاتھ دھو کر تولیہ سے صاف کرنے لگی شانہ یہ نے اسے کچھ نہ کہا۔

اچانک وہ اس کے پاس سے بھاگ کر نسیم کے کمرے میں چلی گئی زوبی بھی دروازے کے پاس آکر کھڑی ہو گئی

اندر تمیزن بوا نسیم کو کھانا کھانے پر مجبور کر رہی تھی مگر وہ کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہ بڑھا رہا تھا بس گم سم بیٹھا تھا

کچھ اس طرح
جیسے
جیسے اس میں جان ہی نہ ہو
یا
وہ گرد و پیش کو یکسر ہی بھول گیا ہو
وہ اُداس تھا
چپ چپ
الجھا الجھا سا بیٹھا تھا بے ہنگم سے خیالوں کے جھکڑ اڈ میں
وہی نسیم
جس کا چہرہ کبھی پھول کی طرح مسکراتا رہتا تھا آج مرجھا گیا تھا
ناہید کی موت سے پورا گھر جو اجڑ کر رہ گیا تھا
زوبی کا دل دہل گیا
اس کے بس میں ہوتا۔ تو نسیم کو اپنی باہوں میں چھپا کر اس کے سارے غم دکھ اپنی جھولی میں ڈال لیتی۔
لیکن

لیکن مجبور تھی بچاری۔ کچھ نہ کر سکتی تھی
بس دروازے پہ ہی کھڑی رہ گئی
شازیہ آگے بڑھی اور نسیم سے قریب ہو کر پیار سے کہا
ابو جی کھانا کھائیے نا
نسیم کے بڑے پردرد انداز میں کہا
نہیں بیٹی! مجھے بھوک نہیں تم جاؤ جا کر کھانا کھاؤ
پھر میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ پہلے آپ کھائیے نا
نسیم نے اسے پچکارا
جاؤ بھئی! ضد نہیں کرتے
شازیہ نے جلدی جلدی نوالہ بنایا اور نسیم کی طرف بڑھا کر کہا
چلئے ابو جی کھائیے
نسیم غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا
ضد نہ کیجئے۔ چلئے کھولیے منہ۔ بس اب کھا لیجئے نا میری خاطر
نسیم نے منہ کھول دیا
شازیہ پھدک کر اس کی گود میں بیٹھ کر اسے کھانا کھلانے لگی
تمیزن بوا ان کے پاس ہی کھڑی رہی۔ مگر زوبی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

۴۸

ناہید کی موت پر کئی دن گزر گئے۔ زوبی اس دوران وجاہت اور نومی کے ساتھ بڑی باقاعدگی سے آتی رہی نسیم اور شازیہ کو ایک نظر دیکھ لینا ہی اس کے لیے سب کچھ تھا۔ عابد کے پاس وہ ابھی تک نہ گئی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی ارادہ بھی تھا۔

ایک روز دوپہر سے کچھ پہلے چاندنی آئی اور نسیم کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا نسیم ٹالنے لگا لیکن چاندنی نے ضد کر کے اسے کسی نہ کسی طرح منا ہی لیا۔ دوپہر کے قریب وہ نسیم، عقیل اور شازیہ کو ساتھ لے کر چل دی گھر پر پہنچے، تمیزن بوا رہ گئی۔

چاروں طرف جب کشتی میں بیٹھے تو ذرا فاصلے پر کشتی میں چاندنی کی سکھیاں

اسے دیکھتے ہی جھوم جھوم گانے لگیں
آ گئے گھر آ گئے
بلم پردیسی سجن پردیسی
آ گئے . . . . . .

دریا پار کر کے تینوں چاندنی کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ موہن بڑے تپاک سے ملا۔ روپا بھی بے حد خوش تھی عقیل اور چاندنی کو وہ اپنے ساتھ لے گئی۔ چاندنی ذرا اندر سے کرسی اٹھا لائی اور نسیم صحن میں موہن کے پاس بیٹھ گیا۔ صحن میں چھوٹی سی بچھیا ادھر اُدھر پھدکتی پھر رہی تھی ایک کونے میں سفید اور سرخ رنگ کے دو مرغ پنکھ پھیلا پھیلا کر لڑ رہے تھے پیپل کے درخت تلے بڑھی سی ایک ناقد کے پاس دو بیل کھڑے ایک دوسرے کا منہ چاٹ رہے تھے۔

نسیم تھوڑی دیر ہی موہن کے پاس بیٹھا۔ پھر چاندنی اسے اپنے ساتھ باہر لے گئی دونوں کافی دیر تک دریا کے کنارے گھومتے رہے جہاں بستی کے مرد اور عورتیں نئے جال بننے کے علاوہ پرانوں کی مرمت بھی کر رہے تھے۔

نسیم تین دن چاندنی کے ہاں رہا جو تھے روز وہ عقیل اور شانہ یہ کے ساتھ واپس آ گیا ناہید کی موت کے درد اور دکھ کے اثرات اب بھی اس پہ تھے مگر ضبط و صبر سے کام لیتے ہوئے وہ معمول کے مطابق کام کرنے لگا۔ چاندنی گاہے گاہے ملنے آتی رہتی زوبی، نوجی اور وجاہت بھی اب اکثر آنے لگے تھے۔

چاندنی اس روز شام سے کافی دیر پہلے جب عابد کی کوٹھی میں نسیم سے ملنے کے لیے داخل ہوئی تو صحن میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی مالی یا گھر کا کوئی بھی ملازم اسے نظر نہ آیا جس سے وہ نسیم کا پوچھتی۔ اچانک برآمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا عابد اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

کیا بات ہے چاندنی!

وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

جی نسیم سے ملنا تھا میں صبح پہلے ان کے گھر گئی وہ وہاں نہیں تھے پھر یہاں آئی تو آپ کے مالی سے پتہ چلا کہ وہ یہاں بھی نہیں۔ میں مالی سے کہہ بھی گئی تھی کہ میں پچھلے پہر پھر آؤں گی کیا وہ یہیں ہیں؟

عابد جیسے چونک پڑا

ہاں ہاں۔ آجاؤ آجاؤ۔ وہ یہیں ہے اپنے کمرے میں

چاندنی خراماں خراماں اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ عابد بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جونہی چاندنی کمرے میں گھسی عابد نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ نسیم کمرے میں نہیں تھا۔ عابد نے اس کے ساتھ دھوکا کیا

چاندنی بپھر کر بولی

یہ کیا؟

عابد مکروہ ہنسی ہنسنے لگا

صبح جب تم مالی سے پچھلے پہر آنے کا کہہ کر گئی تھی۔ میں اسی وقت سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ نسیم تو آج یہاں آیا ہی نہیں؟

پھر تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا

ایسا نہ کرتا تو ابھی تمہارے ساتھ تنہائی میں کیسے ہوتا تم جیسی لڑکی کو پالینا تو

میری سب سے بڑی خوش بختی ہے چاندنی! تم گھبرا کیوں رہی ہو۔

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا

چاندنی گرجی

وہیں رک جاؤ ورنہ زندگی بھر پچھتاؤ گے

وہ اور قریب آگیا

ہوں! تم جیسی نازک لڑکی کی دھونس میں بھلا کون آئے گا

چاندنی کے چہرے پر بلند غلامی کی لکیریں پھیل گئیں

تم بھول رہے ہو۔ جو لڑکی اپنے دیوتا سے ملنے کی خاطر اس قدر دور آ سکتی ہے وہ اپنی حفاظت بھی کھوب اچھی طرح کر سکتی ہے۔

تم نسیم سے محبت کرتی ہو؟ عابد کے لہجے میں استعجاب تھا

چاندنی نے بے دھڑک کہہ دیا

مجھے اس سے انکار نہیں میں انہیں پسند کرتی ہوں

تو پھر تم دھوکے میں ہو۔ اس کی شادی تو نوری سے ہو رہی ہے۔

یہ سب جھوٹ ہے

اس نے آگے بڑھ کر چاندنی کا بازو پکڑ لیا

آج کی شب ہمیں ہمیں گزارنا ہوگی

عابد نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لینا چاہا

چاندنی ناگن کی طرح بپھر گئی

ایک۔ دو۔ تین

طمانچے اس نے عابد کے منہ پر دے مارے

جلیل، کمینہ۔ نیچ

چاندنی تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی

عابد طیش میں آگیا

دیکھتا ہوں اب تمہیں کون بچاتا ہے مجھ سے

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا

چاندنی دیوار کے ساتھ لگ گئی

عابد نے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا اور پلنگ پر لٹا کر اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

چاندنی بچاری اپنے دفاع میں مچل رہی تھی

عابد جذبات میں پاگل ہو گیا تھا۔ اس کی سختی بڑھتی گئی

چاندنی تڑپ رہی تھی

لیکن عابد

وہ تو دیوانہ اور وحشی سا ہو گیا تھا

وحشی

جسے نہ اپنی پرواہ نہ کسی کی عزت اور عصمت کے لٹ جانے کی خبر

اور پھر شرابی مرد کو ایسی باتوں سے کیا غرض

اف خدایا

کتنا خود غرض ہو جاتا ہے مرد ایسے موقع پر

وہ بھول جاتا ہے

کہ

کہ عورت ماں بھی ہے اور بہن بھی

مگر

مگر بُرا ہو گندے ذہن کے ان مردوں کا

جو عورت کو کھلونا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جس کے ساتھ جب تک جی چاہا کھیلتے رہے

اور جب دل بھر گیا۔ نفرت کا اظہار کر کے دور پھینک دیا۔

لیکن ایسا کون

کیا وہ بھول جاتے ہیں کہ گھر ان کی ماں اور بہنیں بھی تو ویسی ہی عورتیں ہیں۔

کاش مرد اس کی طرف دھیان دیں

اور عورتیں صرف پاؤڈر اور غمازے کا پردہ اوڑھ کر باہر سڑکوں پہ سرِعام

شاپنگ کے بہانے اپنے حسن کی نمائش کرنا چھوڑ دیں۔

تو معاشرہ کیوں نہ سلجھ جائے

ایسے نت رونما ہونے والے واقعات کیوں نہ رک جائیں

فراخ دلی اور رجعت پسندی کی آڑ میں ہونے والے گناہ کیوں ختم نہ ہو جائیں۔

مگر کسی کو کیا ضرورت ہے معاشرے کی لٹ سلجھاتا پھرے

ایسے آدمی کو تو لوگ کہیں گے

اجڈ ہے

جاہل ہے

دقیانوس ہے جی

عابد اس معاملہ میں سراسر خطاکار تھا۔

اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے

جو جوان تھی

حسین تھی

پُرکشش اور گداز جسم تھی

چاندنی سے ایسا سلوک کرتے ہوئے وہ اسے بھول گیا تھا۔

فراموش کر چکا تھا اسے

اس کا بھی کیا قصور

شرابی شوہر سے اس کے علاوہ اور اُمید بھی کیا ہو سکتی ہے

عابد اس طرح چاندنی کو دبوچے ہوئے تھا

جیسے

جیسے خونخوار باز اپنے شکار کو دبوچ لیتا ہے

اسے کچھ احساس نہ تھا

کہ وہ بچاری اپنے دفاع کی کوشش کر رہی ہے۔

اپنی عزت بچانا چاہتی ہے۔

اس نے اپنا منہ جب اس کے منہ کے قریب لے جانا چاہا۔ تو چاندنی نے اس

کے منہ پر تھوک دیا

بے رحم بھیڑیئے چھوڑ دو مجھے۔ ورنہ ——— ورنہ

عابد غصّے میں زیادہ سختی پہ اتر آیا

اچانک چاندنی نے اپنی ساڑھی کے اندر ہاتھ ڈالا

اور

اور دوسرے ہی لمحہ اس کے ہاتھ میں چوڑے پھل کا ایک چاقو تھا۔ اپنے دائیں پاؤں کے زور سے اس نے عابد کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور پھر پوری قوت کے ساتھ اس کی چھاتی پر وار کیا۔ چاقو عابد کا دل چیرتا ہوا پار ہو گیا۔ چاندنی کی ساڑھی خون میں بھیگ گئی عابد تڑپنے لگا۔ پاؤں کی ایک سخت ٹھوکر سے اس نے اسے پلنگ سے فرش پر گرا دیا۔ تھوڑی دیر وہ تڑپتا رہا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ چاندنی پلنگ سی اٹھی۔ چاقو پھر اپنی ساڑھی کے اندر چھپا لیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی

نسیم اس روز نہ پتہ نہیں کہاں سے کافی رات گئے لبعد لوٹا۔ شاید عادل کے پاس چلا گیا تھا تیمزن بوا نے اسے کھانا نکال کر دیا عقیل اکیلا اپنے پلنگ پہ سویا پڑا تھا شانہ یہ نسیم کے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی جلدی جلدی اس نے کھانے کے چند نوالے لیے اور شب خوابی کا لباس پہن کر چپکے سے شانہ یہ کے پاس سو گیا۔

دوسرے روز نو بجے کے قریب وہ تیار ہو کر کہیں باہر جانے والا تھا کہ روپا بدحواس سی اندر داخل ہوئی نسیم اسے دیکھ کر گھبرا گیا

کیا بات ہے روپا!

وہ زندھی ہوئی آواز میں بولی

دیدی آپ کو بلا رہی ہیں

کہاں ہے وہ؟

جیل میں ہے

جیل میں؟ کیا رہی ہو تم؟

میں ٹھیک کہہ رہی ہو بھیا۔ اس نے عابد کو قتل کر دیا ہے

نسیم دنگ رہ گیا

عابد کو قتل کر دیا؟ وہ کیسے؟

روپا نے اسے پوری سرگزشت سنا ڈالی

نسیم اس کے ساتھ تیزی سے باہر نکل گیا

چاندنی لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کے پیچھے کھڑی تھی اور موہن باہر بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ نسیم لپک کر آگے بڑھا۔ اور پہ درد لہجے میں پکارا۔

چاندنی!

چاندنی کی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی مشکل سے اس کی آواز نکلی۔

نسیم!

نسیم نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا

چاندنی! یہ تم نے کیا کر لیا

بس مقدر میں یہی تھا میرا اس میں کیا دوش

تم وہاں کیوں گئی سیدھی میرے ہاں کیوں نہ آ گئی

میں پہلے ہی تو کئی بار وہاں گئی مجھے کیا خبر تھی تقدیر میرے ساتھ اس قدر بدترین مذاق کرے گی۔

مایوسی میں نسیم نے اپنا سر لوہے کی سلاخوں پر ٹکا دیا

ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ چاندنی اندر چلی گئی نسیم بھی موہن اور روپا کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔

۲۹

نیم بچارے کی زندگی پھر اُداس ہو کر رہ گئی۔ کھوکھلے قہقہوں میں وہ زلیت کی ہر سختی اور اضطراب بھول جانے کی کوشش کر رہا تھا مگر چاندنی کے جیل چلے جانے کے باعث اس کی زندگی پھر الجھاؤ میں پھنس کر رہ گئی لاکھ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دینا چاہا مگر اب تو غمِ حیات کھولتا ہوا لاوا بن کر اس کے سر سے گزر رہا تھا۔

چاندنی کے مقدمے کی ایک پیشی ہوئی۔ وکیلوں نے آپس میں خوب بحث کی آخر مقدمہ اگلی تاریخ پر ملتوی کر دیا گیا مقدمہ کوئی اتنا سنجیدہ نہ تھا کیونکہ چاندنی نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا۔

دوبارہ پھر پیشی ہوئی

چاندنی ——— چاندنی کو پھانسی کی سزا دے دی گئی

اسے جب جیل لے جایا جانے لگا تو نیم عدالت کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ چاندنی اس کے پاس سے گزری

ہائے بے رحم زمانے
بڑا روح فرسا سماں تھا
نیم کے بال بکھرے ہوئے تھے۔
چہرہ اداس اور اترا اترا سا تھا
یوں محسوس ہو رہا تھا۔

جیسے

جیسے اس کے جسم سے کسی نے سارا خون نکال لیا ہو
رک رک کر نیم نے اسے پکارا
چا ——— چا ——— چاندنی!
چاندنی نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا
اس کے چہرے پر ویرانی ہی ویرانی تھی
کچھ اس طرح جیسے وہ انسان نہیں سرخ پتھر سے تراشا ہوا کوئی مجسمہ ہو
نیم کے پاس سے گزرتے ہوئے چاندنی کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ نیم کی نگاہیں بھی پرنم ہو گئیں۔
بڑی دھیمی آواز میں اس نے کہا
نیم! میں ——— میں ——— تم میرے دیوتا

کچھ بھی نہ کہہ پائی بچاری
سسک سسک کر رہ دی

نسیم خلاؤں میں گھورتے ہوئے نہ جانے کن خیالوں میں الجھ گیا۔

چاندنی جیل کی طرف چلی گئی

دن پھیکے پھیکے سے ہو کر گزرنے لگے نسیم بڑی باقاعدگی سے چاندنی کی ملاقات کو آتا رہتا زندگی اس کے لیے بوجھ بن کر رہ گئی تمیزن بوا اس کا بڑا خیال رکھتی شانہ یہ دن رات اس کی دلجوئی میں رہتی۔ مگر سکون اسے بھی نصیب نہ ہوا۔

شاید
سکھ اور آرام اس کے مقدر میں نہ تھا۔

عابد کی موت کے بعد زوبی کو مجبوراً اپنے گھر جانا پڑا۔ وہ لاکھوں کا کاروبار چھوڑ مرا تھا جس کی واحد مالک اب زوبی ہی تھی ویسے بھی وہ دوبارہ عابد کے گھر میں اس امید پہ آگئی۔ کہ شاید نسیم وہاں آتا رہے اس صورت میں وہ دونوں اکٹھے تو رہ سکیں گے نا

لیکن

نسیم نے سروس ترک کر دی۔ عابد اس کی نگاہوں میں بڑا۔ بھیانک مجرم اور گناہگار تھا اس لیے اس نے وہاں آنا قطعاً ترک کر دیا۔ زوبی کو اس کا بڑا دکھ ہوا وہ تو نسیم کے دیکھنے کو ترس رہی تھی۔ ویسے بھی وہ ازواجی بندھن سے آزاد ہو گئی تھی لہذا نسیم کی طرف مراجعت اس کے دل میں ہر وقت انگڑائیاں لینے لگی۔ وہ ہر وقت یہی سوچتی رہتی کہ نسیم ایک بار پھر اسے بیوی کے روپ میں قبول کرے۔ پھر وہ کبھی اسے چھوڑ

کر کہیں نہ جائے گی۔

اس رات وہ اپنے گھر میں اکیلی لیٹی تھی رات گہری ہو چکی تھی۔ نوی اس کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی ملازمائیں سو چکی تھیں۔ لیکن وہ اپنے کمرے میں بند کروٹ پہ کروٹ بدل رہی تھی۔ لاکھ جتن کر رہی تھی کہ سو جائے

لیکن
نیند قریب تک نہ آ رہی تھی
کبھی وہ کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنے لگتی
اس سے جی بھر جاتا
تو پرانا اخبار اٹھا لیتی
لیکن
ہر حربہ ناکام ثابت ہوا۔ ہر کوشش رائیگاں گئی
اس کا ذہن الجھ سا گیا تھا
خیالات بے ہنگم اور نامربوط سے ہو گئے تھے۔
ذہن میں تپش تھی
کھولتے افکار کی
جلن تھی
پنپتے ہوئے رنگین دلوں کی
تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل سے مدہم مدہم سرائیں اٹھ رہی تھیں
نسیم! تم کہاں ہو۔ کیوں بھول گئے ہو مجھے

میری غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دو
بس معاف کر دو
صرف ایک بار
وہ سوچتی رہی
خیالات پھیلتے رہے
ذہن جلتا رہا
کروٹ پہ کروٹ بدل بدل کر نہ جانے وہ کب سو گئی
خواب میں اس نے بڑا ہی ڈراؤنا منظر دیکھا
چاروں طرف پانی ہی پانی تھا
ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کا پانی
شازیہ اس میں بہہ رہی تھی۔ نسیم اسے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ درمیان میں
ایک بلند پتھریلی چٹان پر عقیل کھڑا رو رہا تھا۔ نسیم نے شازیہ کو پکڑ لیا لیکن اسی لمحہ
پہاڑ کی سی ایک اونچی لہر آئی اور دونوں باپ بیٹی اس میں ڈوب کر رہ گئے۔ عقیل
ایک پتھر پر کھڑا زور زور سے رو رہا تھا
زوبی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی
نسیم!
میرے نسیم!
وہ زور سے چلائی
شازیہ!

میری بچی کہاں ہو تم
بستر سے اٹھ کر وہ باہر بھاگی پہلے کوٹھی کا گیٹ کھولا۔ پھر کار میں آ کر بیٹھی ا
بڑی تیزی سے ڈرائیو کرتی ہو باہر نکل گئی
آدھی رات کا وقت ہو گا۔ دروازے پر کسی نے زور زور سے دستک دی
تیمزن بوا بڑبڑاتی ہوئی اٹھ بیٹھی
کون ہے اس وقت
نیند کے غلبہ میں ڈگمگاتی ہوئی وہ حویلی کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی
اور قریب کھڑے ہو کر ہلکے سے پوچھا۔
کون ہے؟
کسی نے باہر سے روتی ہوئی آواز میں کہا
دروازہ کھولا خالہ جی! آواز کسی عورت کی تھی
تیمزن بوا نے نرم ہو کر پوچھا
تم کون ہو بیٹی؟
میں ——— میں زوبی ہوں خالہ۔ دروازہ کھولیے
تیمزن بوا نے دروازہ کھول دیا
زوبی طوفان کی طرح اندر گھس آئی
کیا بات ہے بیٹی؟
اس وقت
اتنی رات گئے

تم یہاں
خیریت تو ہے
زوبی نے کوئی جواب نہ دیا بھاگتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور نسیم کے کمرے میں داخل ہو گئی

اندر اندھیرا تھا زوبی نے سوئچ آن کر دیا۔ کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ سامنے نسیم لیٹا تھا زوبی کا دل پگھل گیا۔
نسیم کے سونے کا انداز وہی تھا۔
پیشانی پہ اسی طرح الجھی الجھی سی لٹیں
اور
لبوں پہ وہی ملکوتی مسکراہٹ تھی
پہلو میں شازیہ اس سے لپٹ کر سوئی ہوئی تھی۔ ان کے دائیں طرف عقیل کا پلنگ تھا۔
یہ وہ کمرہ تو تھا جہاں زوبی نے نسیم کی ہمسری میں اپنی سہاگ رات گزاری تھی۔
یہ وہی جگہ تو تھی جس سے اس کی سنگیٹوں یادیں وابستہ تھیں۔
وہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور نسیم کے پلنگ پہ گر گئی۔
نسیم! میرے اچھے نسیم
نسیم بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھا
کون؟
تم

کیا لینے آئی ہو یہاں۔ کیا کام ہے تمہارا اس گھر میں رات کے اس وقت
جواب دینے کے بجائے زوبی بے تحاشا شازیہ کو چومنے لگی وہاں سے ہٹ کر اس نے عقیل کو لپٹا لیا اور اسے بے پناہ پیار کرنے لگی
شازیہ اور عقیل اٹھ کر بیٹھ گئے
نسیم پلنگ سے اترا اور سلیپر پہن کر کھڑا ہو گیا
زوبی! چلی جاؤ یہاں سے۔ یہ شریفوں کا گھر ہے مجھے بدنام کرنے کی کوشش نہ کرو
زوبی اس کے قدموں پہ گر گئی
خدا کے لیے ایک بار معاف کر دیں
صرف ایک دفعہ ان قدموں میں دوبارہ جگہ دے دیں پھر کبھی چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔
نسیم پیچھے ہٹ گیا
چلی جاؤ زوبی! دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے۔ میں اور تم اب اجنبی ہیں۔ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے ازدواجی زندگی کا انمول رشتہ توڑا۔
تم نے مجھے کیا دیا؟
دکھ اور غم
تمہاری وجہ سے میرے ابا مر گئے
تمہاری شہ پہ انیلہ نے بھابی پہ تہمت لگائی اور اس نے خودکشی کر لی۔
زوبی کھڑی ہو گئی۔

نسیم طیش میں آگیا

میں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ یہاں سے

اس نے زوبی پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہوا میں لہرایا لیکن تمیزن بوا درمیان میں آگئی اور زوبی کو کھینچتی ہوئی باہر لے گئی

نسیم نے دروازہ اندر سے بند کر کے لائٹ آف کر دی اور پھر سو گیا

باہر زوبی تمیزن بوا سے کہہ رہی تھی

خالہ جی چھوڑ دو مجھے

میں مر جاؤں گی یہاں سے ہرگز نہ نکلوں گی

اب ——— اب اس گھر سے میرا تابوت ہی اٹھے گا

تمیزن بوا اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی اور سمجھانے لگی

ضد نہ کرو بیٹی اس طرح معاملہ اور بگڑ جائے گا۔ تم کل شام کے وقت وجاہت اور نوی کو ساتھ لے کر آؤ اور رات یہیں رہو۔ سب مل کر نسیم پر دباؤ ڈالیں گے اور وہ بات مان جائے گا۔ میں خود چاہتی ہوں تم دوبارہ اپنے گھر آجاؤ سچ کہتی ہوں مجھ سے تو اس گھر کی حالت اب دیکھی نہیں جاتی

بات زوبی کی سمجھ میں آگئی رات کا باقی حصہ اس نے وہیں گزارا اور صبح سویرے واپس چلی گئی

دوسرے روز نسیم تیار ہو کر جیل گیا ملاقات کا وقت ہو چکا تھا وہ آگے بڑھا

چاندنی بھی سلاخوں کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔

دونوں کی نگاہیں ملیں

چاندنی بیتاب ہو کر بولی

کیا بات ہے آپ آج اداس کیوں ہیں؟

نسیم خاموشی سے اسے گھورتا گیا

چاندنی اور پریشان ہو گئی

آپ چپ کیوں ہیں؟

نسیم کی گھگھیائی ہوئی آواز بلند ہوئی

میں یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں چاندنی!

چاندنی بدحواس ہو گئی

کیوں؟

بس ——— بس میں اب یہاں نہیں رہ سکتا میرے لیے دکھ ہی دکھ رہ گئے ہیں۔ سب لوگ مجھ سے تنگ ہیں۔ یہ شہر میرے لیے جہنم بن کر رہ گیا ہے تم جیل آگئی ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں تمہارے بالو اور روپا کو روتے ہوئے میں نہیں دیکھ سکتا۔ بس میں آج یہاں سے چلا جاؤں گا۔ دور ——— بہت دور جہاں کوئی جاننے والا نہ ہو جہاں دکھ نہ ہو۔ کسی کا غم نہ ہو بس سکون ہو اور ——— سکھ ہو

چاندنی رو پڑی ہونٹ بھینچ بھینچ کر ضبط کرتے ہوئے کہا

کیا ——— کیا دیوتا اپنی داسی کو بھول جائے گا کیا میری چرنوں میں رہنے کی تمنا یاسوں کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔

نہیں چاندنی! میں تمہاری ہمدردیاں بھول نہ سکوں گا۔ میں تمہیں کبھی نہیں

بھول سکتا۔ موقع ملا تو میں ضرور تمہیں لینے آیا کروں گا۔ لیکن۔ لیکن تم تو خود اب سب
کو چھوڑ کر بہت جلد دور چلی جاؤ گی تمہیں موت کی سزا جو ہو گئی ہے میں یہ منظر نہ
دیکھ سکوں گا

چاندنی رونے لگی

ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ نسیم واپس چلا گیا

رات شام کے وقت زوبی وجاہت اور نوبی کے ساتھ پھر آئی صحن میں باورچی خانہ
کے پاس تہمینہ بوا پتیلی مانجھ رہی تھی نوبی نے آگے بڑھ کر پوچھا

خالہ جی! نسیم بھائی کہاں گئے

وہ تو چلے گئے رندھی ہوئی آواز میں اس نے جواب دیا

کہاں نوبی کے لہجہ میں حیرت تھی

وہ اس شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے ہیں میں نے بہت روکا لیکن نہیں
مانے

کب گئے

تھوڑی ہی دیر ہوئی شاید سات بجے والی گاڑی سے جائیں

وجاہت نے گھڑی دیکھی ابھی وقت تھا۔ زوبی اور نوبی کو ساتھ لے کر وہ واپس
چل دیئے

چلو جلدی کرو۔ ابھی گاڑی کا وقت ہے اسے جا کر واپس لے آتے ہیں۔

تینوں جب سٹیشن پہنچے تو گاڑی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی تینوں گاڑی کے
ساتھ ساتھ بھاگتے گئے ایک ڈبے میں نسیم اداس اداس سا کھڑا تھا وجاہت نے

اسے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی روکنے کو کہا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
گاڑی تیز ہو گئی

تینوں سٹیشن پر کھڑے ہو گئے جلد ہی گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی

زوبی کا دل جل رہا تھا

روح سلگ اٹھی تھی

غم اور دکھ کا دھواں سانس کی چھاتی بننے لگا۔

اس کا دل چیخ چیخ کر پکارنے لگا۔

نسیم! میرے نسیم میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی

میں مر جاؤں گی

سلگ اٹھوں گی گیلی لکڑی کی طرح

وہ بڑبڑائی

اف میرے خدا

یہ سیاہ رات کی سی طویل اور پھیکی زندگی کیسے گزرے گی

میں جی نہ سکوں گی نسیم کے بغیر

مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ مر جانا چاہیے مجھے

شوہر کے ساتھ میں نے غداری کی

اس کے اعتماد کو دھوکا دیا

اس کے ساتھ جفا کا ہر حربہ آزمایا

قریب تھا کہ وہ غش کھا کر گر جاتی لیکن نوبی نے اسے سنبھال لیا اور باہر لے

آئی ۔ دونوں بہنیں کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔ وجاہت کار ڈرائیو کرنے لگے وہ اداس تھے زوبی رو رہی تھی اور نومی اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

دور ——— بہت دور افق کے اس پار سورج غروب ہو گیا تھا۔ شفیق کی سرخی فضاؤں میں بکھر سی گئی تھی۔ رات پھیلنے لگی۔ شبنم کی دھند بڑھتی ہی گئی ۔ تاریکیاں گنگنانے لگیں۔

اور اس اداس سہمے دو روتے کنول ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو کر رہ گئے وجاہت دونوں کو لے کر سٹیشن سے باہر آئے ۔ زوبی کی حالت لمحہ بہ لمحہ بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

اس کے چہرے
اس کی چال اور اس کی حرکات سے صاف عیاں تھا جیسے
جیسے
اس کے جذبات کو کچل کر رکھ دیا گیا ہو
غم اور اندوہ کا بوجھ یک بارگی اس کے کاندھوں پر گرا دیا گیا ہو
نومی اسے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ دل پر ہاتھ رکھے وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہی تھی دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ نومی کے ساتھ کار میں گھس کر سیٹ پر کچھ اس طرح بے جان سی ہو کر گر گئی جیسے وہ کوئی زندہ لاش ہو۔